ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان



سہ ماہی

تحقیقات اسلامی

علی گڑھ

اہلِ کتاب کو اسلام کی دعوت
سید جلال الدین عمری
تفسیرِ نویں - ایک مطالعہ
پروفیسر کبیر احمد جائسی
ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیاں
ڈاکٹر محمد سہیل شفیق
اسلامی نظامِ وراثت میں عورت کا حصہ
محمد رضی الاسلام ندوی
دین میں مصالح کی اہمیت
مولانا محمد جرجیس کریمی
حلال اور حرام پرندے
حافظ مبشر حسین
تعارف وتبصرہ
محمد رضی الاسلام ندوی
مولانا محمد جرجیس کریمی

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۱۱ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

Nabi Nagar (Jamalpur) P.O.Box: 93,ALIGARH-202002 (INDIA)

سہ ماہی **تحقیقاتِ اسلامی** علی گڑھ

جلد: ۳۰ شمارہ: ۴

ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ ——— محرم ۱۴۳۳ھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۱۱ء

تحقیقاتِ اسلامی کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر ملاحظہ کریں

ادارتی امور

موبائل : 09582050234

ای میل: tahqeeqat@gmail.com

mrnadvi@yahoo.com

انتظامی امور

فون : 0571-2902034

موبائل: 09897655171

ای میل: tahqeeqateislami@gmail.com

tahqeeqat_islami@yahoo.com

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۳۰ روپے
سالانہ	۱۲۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۵۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۱۵۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۰ ڈالر امریکی
سالانہ (ادارے)	۲۵ ڈالر امریکی

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۲۵ ڈالر امریکی
سالانہ (ادارے)	۳۰ ڈالر امریکی

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

اہل کتاب کو اسلام کی دعوت — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق وتنقید

تفسیر نویں- ایک مطالعہ — پروفیسر کبیر احمد جائسی — ۱۹

ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیاں — ڈاکٹر محمد سہیل شفیق — ۳۳

بحث ونظر

اسلامی نظامِ وراثت میں عورت کا حصہ — محمد رضی الاسلام ندوی — ۵۷

دین میں مصالح کی اہمیت — مولانا محمد جرجیس کریمی — ۷۷

حلال وحرام پرندے — جناب مبشّر حسین — ۹۷

تعارف وتبصرہ

عقلیاتِ قرآن کریم — محمد رضی الاسلام ندوی — ۱۱۱

ہندوستانی معاشرہ میں تعدّد ازدواج — مولانا محمد جرجیس کریمی — ۱۱۲

خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۴۱) — ۱۱۵

فہرست مضامین ومضمون نگاران تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۰، ۲۰۱۱ء — ۱۱۷

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ پروفیسر کبیر احمد جائسی
سابق ڈائرکٹر، ادارۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
ساجدہ منزل، اقرا کالونی، نیو سرسید نگر، علی گڑھ

۲۔ ڈاکٹر محمد سہیل شفیق
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامی تاریخ، کراچی یونی ورسٹی، پاکستان

۳۔ محمد رضی الاسلام ندوی
معاون مدیر، سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ

۴۔ مولانا محمد جرجیس کریمی
رکن ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

۵۔ جناب حافظ مبشر حسین
لکچرار/ ریسرچ ایسوسی ایٹ، ادارۂ تحقیقات اسلامی،
بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد، پاکستان

۶۔ سید جلال الدین عمری
صدر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

اہلِ کتاب کو اسلام کی دعوت

سید جلال الدین عمری

حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کو توریت عطا ہوئی اور حضرت عیسیٰؑ پر انجیل نازل ہوئی۔ قرآن مجید نے ان کی رسالت کی تصدیق کی، ان پر ایمان کو لازم قرار دیا، ان کے حالات، ان کی اصل تعلیم، ان کی دعوتی جدوجہد، اس کے اثرات اور 'موافق' ناموافق ردعمل کا تفصیل سے ذکر کیا، ان کے بارے میں جو غلط خیالات پائے جاتے تھے، جن سے ان کی عظمت پر حرف آتا تھا، ان کی تردید کی اور ان کی صحیح تصویر پیش کی، ان کے ماننے والوں اور مشرکین کے درمیان فرق کیا اور انہیں 'اہل کتاب' قرار دیا۔ یہ قرآن مجید کا اہل کتاب پر اور ان کی تاریخ پر بہت بڑا احسان ہے۔

قرآن مجید نے مشرکین کی طرح اہل کتاب کو بھی محمد ﷺ پر ایمان لانے اور قرآن مجید کو توریت اور انجیل ہی کی طرح اللہ کی کتاب ماننے کی دعوت دی اور اسے ان کی نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ جب اللہ کے رسول ہیں اور ان پر نازل کردہ کتابیں ان کے ماننے والوں کے پاس موجود ہیں تو انھیں محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت کیوں دی جا رہی ہے؟ آخر اس کی کیا ضرورت پیش آئی؟

قرآن مجید نے بہت تفصیل سے اس کے اسباب سے بحث کی ہے۔ ان میں سے حسب ذیل وجوہ نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں:

۱- اس نے پہلی بات تو یہ کہی کہ توریت اور انجیل اب اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رہیں۔ ان کے ماننے والوں نے ان کی تعلیمات کو بدل ڈالا ہے۔ اس کا یہ دعویٰ

ایک حقیقت ہے۔ اس لیے کہ توریت اور انجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے بہت بعد مرتب ہوئیں۔ عبرانی میں ان کے ترجمہ ہوئے اور وہ اصل قرار پائے۔ ان میں بھی ان کے ماننے والے تحریف کرتے رہے۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (المائدۃ:۱۳) وہ کلمات کو ان کے مواقع سے پھیرتے ہیں۔ اور (دین پر عمل کی) جو نصیحت ان کو کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ وہ بھول چکے ہیں۔

یہاں اہل کتاب کی 'تحریف' کا ذکر ہے۔ تحریف کے معنی ہیں تبدیل کرنا۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اصل الفاظ ہی بدل دیے جائیں۔ دوسری صورت یہ کہ الفاظ تو نہ بدلے جائیں، بلکہ ان کا معنی و مفہوم بدل دیا جائے۔ ہمارے مفسرین نے کہا ہے کہ ان کتابوں کے ساتھ یہ دونوں ہی صورتیں اختیار کی گئیں۔[1]

جب یہ کتابیں محرف ہیں اور ان میں انسانوں کے افکار شامل ہوگئے ہیں تو ان سے اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی نازل کردہ شریعت کا پتا کیسے چل سکتا ہے اور اب ان پر اس اطمینان کے ساتھ کیسے عمل ہوسکتا ہے کہ ہم خدا کی نازل کردہ کتابوں پر عمل کررہے ہیں؟

۲- اللہ کی کتاب جن لوگوں سے خطاب کرتی ہے ان میں سے ہر فرد کا حق ہے کہ اس سے ہدایت حاصل کرے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پوری کتاب اس کے پاس ہو اور اسے سمجھنے کے اسے مواقع حاصل ہوں۔ لیکن اہل کتاب کے ایک خاص گروہ کی اللہ کی کتاب پر اجارہ داری تھی۔ وہی اسے پڑھتا اور حسبِ منشا اس کی تفہیم وتشریح کرتا۔ انہوں نے اللہ کی کتاب کو یکجا مرتب و مدون شکل میں نہیں رکھا، بلکہ اسے اجزاء میں تقسیم کر رکھا تھا۔ جس حصہ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے، پیش کرتے اور جس کا اظہار ان کے مفاد میں نہ ہوتا اسے چھپائے رکھتے۔ قرآن مجید نے ان کی اس بددیانتی پر سخت گرفت کی:

---

[1] خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل: ۲/۸۳۲۔ ابن عطیہ، المحرر الوجیز: ۳/۳۱۰

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا۠ (الانعام:۹۱)

(توریت) جسے تم نے ورق ورق کر کھا ہے، جسے تم لوگوں کو (حسب منشا) دکھاتے ہو اور بہت سی تعلیمات کو چھپاتے ہو۔

۳- اس کا ایک شاخسانہ یہ تھا کہ اہل کتاب کے عالموں اور راہبوں کا عوام پر اس قدر اثر بڑھ گیا کہ اصل کتاب پسِ پشت ڈال دی گئی اور ان کے خود نوشت فتاویٰ اور احکام کو اللہ تعالیٰ کی شریعت کا درجہ حاصل ہو گیا۔ قرآن مجید نے اس طلسم کو توڑا اور اہلِ کتاب سے کہا کہ تمھاری زندگی میں اللہ کی کتاب کو فیصلہ کن مقام حاصل ہونا چاہیے تھا، لیکن تم نے یہ مقام ان احبار و رہبان کو دے رکھا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے بے نیاز ہو کر فیصلے کرتے ہیں۔ تم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو چھوڑ کر ان کے احکام کے سامنے سر جھکا دیے۔ گویا وہ تمھارے معبود ہیں اور ان کی غیر مشروط اطاعت تم پر لازم ہے۔ اس طرح تم نے اللہ کی شریعت کو عملاً منسوخ کر دیا ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۝ (التوبۃ:۳۱)

انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو (اپنا) رب بنا رکھا ہے اور مسیح بن مریم کو بھی خدا بنا لیا ہے۔ حالاں کہ ان کو صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کریں۔ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں ہے۔ پاک ہے اس کی ذات شرک سے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔

حضرت عدی بن حاتمؓ عیسائی تھے، بعد میں اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نے احبار و رہبان کی عبادت تو نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ ہم نے ان کو اپنا رب بنا لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو جب وہ حرام قرار دیتے تو وہ تمھارے نزدیک حرام ہو جاتیں اور جن چیزوں کو اللہ نے حرام کہا ہے، ان کے کہنے سے وہ حلال ہو جاتیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں یہ ایک واقعہ ہے، ایسا ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا: یہی ان کی عبادت ہے۔[1]

---

[1] بغوی، معالم التنزیل مع تفسیر الخازن: ۳/ ۱۰۷-۱۰۸

قرآن مجید نے علمائے یہود کے اس گھناؤنے کردار کو دنیا کے سامنے واضح کیا کہ وہ اپنے ہی تحریر کردہ احکام وفتاویٰ کو اللہ کی جانب سے نازل کردہ قوانین کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور اس سے مادی منفعت حاصل کرتے ہیں۔ یہ سخت وعید کے مستحق ہیں۔ ارشاد ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَناً قَلِيْلاً فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ○ (البقرۃ:۷۹)

پس تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، تاکہ اس کے ذریعے تھوڑی سی قیمت وصول کرلیں۔ پس ان کے لیے تباہی ہے اس میں جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور تباہی ہے ان کے لیے اس منفعت میں جو وہ حاصل کررہے ہیں۔

اب اللہ کی کتاب میں اور ان علمائے سوء کی تحریروں میں کیسے فرق کیا جائے؟ یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ اللہ کی کتاب کیا کہتی ہے اور اس کے ان دنیا طلب شارحین نے کتابُ اللہ کے نام پر کیا پیش کیا ہے؟

۴- یہود ونصاریٰ اسلام کی مخالفت میں تو بہ ظاہر متحد نظر آتے تھے، لیکن ان کے آپس کے اختلافات اتنے شدید تھے کہ وہ ایک دوسرے کی تردید وتغلیط بھی کرتے نظر آتے تھے۔ ان کے باہم جنگ وجدال کا قرآن نے ایک جگہ ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارىٰ عَلٰى شَيْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصَارىٰ لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ (البقرۃ:۱۱۳)

یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے پاس کچھ نہیں ہے، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ حالاں کہ دونوں ہی کتاب (توریت) پڑھتے ہیں۔ یہی بات وہ لوگ (مشرکین) بھی کہتے ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ اللہ ان کے درمیان فیصلہ کردے گا، ان امور میں جن میں یہ اختلاف کررہے ہیں۔

یہود اور نصاریٰ دونوں کی بنیاد توریت تھی۔ انجیل میں اسی کی شریعت پر عمل کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن دونوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور غیر ضروری بحث و مباحثہ میں پڑ گئے اور ایک دوسرے کو بے بنیاد اور بے اصل قرار دینے لگے۔ اس طرح خود ہی توریت اور انجیل دونوں کا اعتبار ختم کر دیا۔ مشرکین عرب کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی، اس کے باوجود وہ اپنے سوا ہر ایک کو برسر باطل سمجھتے تھے۔ یہود و نصاریٰ نے بھی حاملِ کتاب ہونے کے باوجود یہی روش اختیار کی۔

۵- یہودی کہتے تھے کہ جنت اسی کو ملے گی جو یہودی ہے۔ نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ وہی جنت کے حق دار ہیں۔ اس کے پیچھے کوئی دلیل نہیں تھی، محض خواہش یا قومی تعصب کارفرما تھا:

وَ قَالُوْا لَن یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ هُوْداً اَوْ نَصَارٰی تِلْکَ اَمَانِیُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ○ (البقرۃ:۱۱۱)

انہوں نے کہا: جنت میں ہرگز نہ جائے گا مگر وہ جو یہودی ہے اور نصاریٰ کے بقول وہ جو نصرانی ہو۔ ان سے کہو کہ اس کی دلیل پیش کرو، اگر تم سچے ہو۔

ان دونوں کے سامنے ایک مقصد دنیا کو یہ بتانا بھی تھا کہ محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان رکھنے والے بے دین ہیں۔ لہٰذا جنت سے محروم ہوں گے۔ حالاں کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو بھی اس کی اطاعت کرے اور جس کی زندگی حسن عمل سے آراستہ ہو وہ کامیاب ہوگا:

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِندَ رَبِّهٖ وَلاَ خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلاَ هُمْ یَحْزَنُوْنَ○ (البقرۃ:۲۱۱)

ہاں جو اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کر دے اور نیک روش اختیار کرے اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے نہ خوف ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

۶- کتاب اللہ سے انحراف اور اسے فراموش کر دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہود و نصاریٰ میں سے کوئی بھی اپنی صفوں میں اتحاد باقی نہیں رکھ سکا اور وہ بہت سے فرقوں میں

بٹ گئے۔ ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر و تفسیق کرتا اور اس کے خلاف دشمنی اور عداوت کا مظاہرہ کرتا۔ اللہ کی کتاب کو ترک کرنے کے بعد نصاریٰ میں جو مذہبی انتشار پیدا ہوا قرآن مجید نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وَ مِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَهُمۡ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ ص فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَ الۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ ؕ وَ سَوۡفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ○ (المائدۃ:۱۴)

(یہود کی طرح) ان لوگوں سے بھی ہم نے پکا عہد لیا تھا جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ لیکن ان کو جو نصیحت کی گئی تھی اس کے ایک بڑے حصہ کو انہوں نے فراموش کر دیا۔ پھر ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے باہم عداوت اور دشمنی ڈال دی۔ جلد وہ وقت آئے گا جب کہ اللہ تعالیٰ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔

یہود نے محمد ﷺ کی رسالت اور قرآن مجید کے ساتھ جو روش اختیار کی اور اس کا جو نتیجہ نکلا اس کا ذکر ہے:

وَ لَیَزِیۡدَنَّ كَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡیَانًا وَّ كُفۡرًا ؕ وَّ اَلۡقَیۡنَا بَیۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ ؕ (المائدۃ:۶۴)

جو کلام آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے بیش تر کی سرکشی اور کفر کو ضرور بڑھا دے گا۔ ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے۔

۷- پوری قوم فساد میں مبتلا تھی۔ مفادِ دنیا ہی ہر ایک کا مقصد تھا۔ اس کے لیے جائز و ناجائز ہر طریقہ اختیار کیا جا رہا تھا، لیکن اصلاح حال کی کوئی کوشش نہیں ہو رہی تھی۔ ان کے علماء امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض سے غفلت برت رہے تھے۔ اللہ کی نافرمانی اور شریعت کی پامالی ہر طرف ہو رہی تھی، کوئی کسی کا ہاتھ پکڑنے والا نہ تھا۔ قرآن مجید نے اس صورتِ حال کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وَ تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَکْلِھِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ○ لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَ اَکْلِھِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ○

تم ان میں سے بیش تر کو دیکھو گے کہ وہ گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں اور حرام کھانے میں تیزی دکھاتے ہیں۔ یقیناً برے کام ہیں، جو وہ کر رہے ہیں۔ آخر کیوں نہیں منع کرتے ان کے نیک لوگ اور علماء گناہ کی بات کرنے اور مالِ حرام کھانے سے۔ بہت ہی برا طریقہ ہے جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ (المائدۃ:۲۶،۳۶)

پوری قوم کی اس کیفیت کا ذکر ایک جگہ ان الفاظ میں ہے:

کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ○

منکرات جن کا وہ ارتکاب کر رہے تھے ان سے وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ بہت ہی برا رویہ تھا جو انہوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ (المائدۃ:۷۹)

اس طرح قرآن مجید نے دنیا کے سامنے اہلِ کتاب کی تاریخ رکھ دی کہ ان کے علماء و احبار اللہ کی کتاب میں تحریف کر رہے ہیں اور اپنی تحریروں کو خدا کی کتاب کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔ آخرت کا خوف جو انسان کو معصیت سے روکتا ہے، ان کے اندر سے نکل چکا ہے۔ دنیا کی طلب اور مادی مفادات کا حصول ان کی زندگی کا مقصد بن گیا ہے۔ پوری قوم غلط راہ پر چل پڑی ہے۔ منکرات پر ٹوکنے کا عمل ختم ہو چکا ہے اور اصلاح کی کوششیں بند ہوگئی ہیں۔

قرآن مجید نے جہاں اہلِ کتاب کے فاسد عنصر پر بے لاگ تنقید کی وہیں ان میں جو نیک اور صالح نفوس تھے، بغیر کسی تکلف کے، مختلف مواقع پر ان کی تعریف کی ہے۔ وہ گو آٹے میں نمک کے برابر تھے، لیکن بہرحال ستائش کے مستحق تھے۔ ایک جگہ ان کی متعدد خوبیوں کا ذکر ہے:

لَيْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ ○ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ (آل عمران:۳۱۱-۵۱۱)

وہ سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں ایک جماعت سیدھی راہ پر قائم ہے۔ وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، معروف کا حکم دیتے اور منکر سے منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں تیز روی دکھاتے ہیں اور یہی صالحین میں سے ہیں۔ وہ بھلائی کا جو کام کریں گے، اس کی ہرگز ناقدری نہ ہوگی اور اللہ پرہیزگاروں سے واقف ہے۔

ایک اور موقعے پر ارشاد فرمایا:

وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ (الاعراف:۹۵۱)

موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ہے، جو حق کی طرف راہ نمائی اور اس کے ذریعے عدل و انصاف کرتا ہے۔[1]

قرآن مجید نے اہلِ کتاب کی تحریف، ان کی بدعملی وغلط روی، اس کے محرکات اور ان کے نیک لوگوں کے کردار پر بڑی تفصیل اور بڑی دقتِ نظر سے بحث کی ہے۔ یہاں صرف چند موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ ساری بحث تعصب اور تنگ نظری سے پاک، بالکل اصولی اور مبنی برحقیقت ہے۔ اسی وجہ سے پہلے بھی اس کی تردید کی کسی کو ہمت نہ ہوئی اور آج بھی کوئی اسے چیلنج نہیں کرسکتا۔ قرآن مجید ان کتابوں کے لیے مُهَيْمِن (المائدۃ:۸۴) تھا۔ اس نے ان کے کھرے کھوٹے کو بالکل الگ کرکے رکھ دیا۔

قرآن مجید نے اہلِ کتاب کے ساتھ محض تنقید کا منفی رویہ اختیار نہیں کیا، بلکہ مثبت

[1] مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آل عمران:۵۷، المائدۃ:۶۶، ۱۸، ۳۸، ۴۸

طور پر انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس دعوت کی بعض خاص بنیادیں یہ تھیں۔

۱- خدا کو تم بھی مانتے ہو اور ہم بھی مانتے ہیں۔ یہ چیز تمھارے اور ہمارے درمیان قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ آؤ اس کے تقاضے پورے کریں:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝ (آل عمران:۶۴)

اے پیغمبر! کہہ دو! اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنائے۔ اگر وہ یہ بات ماننے سے انکار کریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو، ہم تو مسلم (اللہ کے اطاعت گزار) ہیں۔

خدا کو ماننے کے یہ لازمی تقاضے تھے، جن سے اہل کتاب انکار نہیں کر سکتے تھے کہ عبادت صرف اللہ واحد کی ہو اور ہر طرح کے شرک سے پاک ہو، کسی بھی فرد کو اپنا رب یا خدا نہ بنا لیا جائے، کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا حق اسے دے دیا جائے اور اس کے احکام، اللہ کی شریعت کا درجہ حاصل کر لیں۔ اہلِ کتاب اللہ پر ایمان کے دعویٰ کے باوجود ان جرائم کے مرتکب تھے، اس لیے وہ ان پر عمل کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔ اس طرح قرآن مجید نے انھیں ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا کہ ان میں سے کسی بھی باضمیر انسان کے لیے اپنے جرم کے اعتراف کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

۲- تم سلسلۂ رسالت کو تسلیم کرتے ہو، لہٰذا آخری رسول کو بھی تسلیم کرو۔ وہ ہٹ دھرمی سے کہتے: مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری) قرآن نے کہا:

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ (الانعام:۹۱)

ان سے پوچھو: وہ کتاب کس نے اتاری جسے موسیٰ لایا تھا، جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی۔

۳- اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کی جو صفات تمھاری کتابوں میں بیان ہوئی ہیں وہ ساری صفات محمد ﷺ کی ذات میں جمع ہیں۔ جس آنے والے پیغمبر کی پیشین گوئیاں اور بشارتیں ان کتابوں میں دی گئی ہیں وہ سب ایک ایک کرکے آپؐ پر منطبق ہورہی ہیں۔ان کتابوں پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو آخری رسول کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔ دنیا کے محض چند روزہ مفاد کی خاطر آپ کی رسالت سے انکار کرتے ہوئے تمھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ یہ کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔ اسی پر تمھاری نجات کا انحصار ہے۔ لہٰذا تم سب سے پہلے اس کتاب کا انکار کرنے والے نہ بنو:

وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَكُمْ وَ لاَ تَكُونُوْا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ وَ لاَ تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَناً قَلِيْلاً وَّ اِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ○ وَ لاَ تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○

اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے، جو اس کتاب (توریت) کی تصدیق کرتی ہے، جو تمھارے پاس ہے۔ تم اس کے سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو اور میری آیات کو تھوڑی قیمت پر نہ فروخت کر ڈالو اور مجھ ہی سے ڈر کر چلو اور حق کو باطل میں نہ ملاؤ اور جانتے بوجھتے حق کو نہ چھپاؤ۔

(البقرۃ:۱۴،۲۴)

حضرت مسیح علیہ السلام نے آخری پیغمبر کی پیشین گوئی احمد کے نام سے کی تھی۔ محمد اور احمد دونوں آپ کے نام ہیں ـــــ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ لیکن یہود نے حضرت مسیحؑ کی رسالت ہی کو تسلیم نہیں کیا اور ان کے پیش کردہ دلائل اور معجزات کو جادو قرار دینے لگے اور اب حضرت محمد ﷺ کے ذریعے انھیں اسلام کی دعوت دی جارہی ہے تو یہ ظالم اسے قبول کرنے کی جگہ اس کی مخالفت کررہے ہیں اور اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر رہے ہیں۔ گویا انھیں کسی رسول کی ضرورت ہی نہیں ہے:

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَ مُبَشِّراً

یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل میں تمھارے پاس اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تصدیق کرتا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے

بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ یُدْعٰۤی اِلَی الْاِسْلَامِ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○

(الصّف:۶،۷)

نازل ہوچکی ہے اور بشارت دے رہا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا۔ جب وہ ان کے پاس دلائل (معجزات) کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے جب کہ اسے اسلام کی طرف بلایا جارہا ہے۔ اللہ ظالموں کو راستہ نہیں دکھاتا۔

۴- آخری رسول اور آخری شریعت کا آنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ تم نے اپنی کتابوں میں تحریف کرکے انھیں بدل ڈالا، اس لیے دین وشریعت کے معاملے میں ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اب خدا تک پہنچنے اور اس کی مرضی معلوم کرنے کا واحد قابلِ اعتماد ذریعہ وہ کتاب ہے، جسے اس کا آخری رسول پیش کررہا ہے:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ○ یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○

(المائدۃ:۵۱،۶۱)

اے اہل کتاب! بے شک ہمارا رسول تمھارے پاس آچکا ہے جو کتابِ الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو تمھارے سامنے کھول رہا ہے، جن کو تم چھپایا کرتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کر جاتا ہے۔ بے شک تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور کھول کھول کر بیان کرنے والی کتاب آچکی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کا راستہ دکھاتا ہے اور اپنے اذن سے انھیں ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی ہدایت کرتا ہے۔

۵- مذہب کے نام پر تم نے اپنی ایک الگ شریعت ایجاد کر رکھی ہے اور حلت و حرمت کے خود ساختہ اصول وضع کر رکھے ہیں۔ تمھارے نزدیک پاک چیزیں ناپاک اور ناپاک چیزیں پاک بن گئی ہیں۔ تم نے دین کے نام پر انسانوں کو بے جا بندشوں میں جکڑ رکھا ہے۔ جب تک یہ زنجیریں کٹ نہیں جاتیں ترقی کی راہیں ان پر مسدود ہوں گی۔ یہی فرض انجام دینے کے لیے اللہ کا آخری رسول آیا ہے۔ اسی کی اتباع میں تمھاری نجات ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ (الاعراف:۱۵۷)

جو اس پیغمبر کی جو نبی امی ہے (ﷺ) اتباع کرتے ہیں، جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انھیں معروف کا حکم دیتا اور منکر سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے ہیں اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے ہیں۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں، اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی اتباع کریں، جو اس پر نازل کی گئی ہے تو وہی کامیاب ہوں گے۔

اس خطاب کے بعد فرمایا: اے پیغمبر (ﷺ) آپ اس بات کا اعلان کر دیجیے کہ آپ کی بعثت ساری دنیا کے لیے ہے۔ آپ ہر فرد کے لیے، ہر گروہ اور جماعت کے لیے اللہ کے رسول ہیں۔ ہدایت اور راہ نمائی کے لیے آپ کی اتباع ضروری ہے۔ یہ اعلان یہاں ان الفاظ میں ہوا[1]

---

[1] قرآن میں متعدد مواقع پر صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ محمد ﷺ کی رسالت تمام انسانوں کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ سورۂ سبا (آیت نمبر ۸۲) میں ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (ہم نے تو آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے) مزید: ملاحظہ ہو: الفرقان:۱، الاحزاب:۴۰، الانبیاء:۱۰۷

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا نِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ○

(الاعراف:۱۵۸)

آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ جس کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین پر۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی دیتا اور موت دیتا ہے، پس تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کرو، امید ہے تم سیدھی راہ پاؤ گے۔

قرآن مجید نے جس طرح اہل کتاب کی تحریفات کی نشان دہی کی۔ خود ان کی کتابوں سے اپنے موقف کے حق میں استدلال کیا، ان کی غلط روش پر تنقید کی، ساتھ ہی ان کے صالح افراد کی تعریف کی اور جس طرح اسلام کو بہت ہی واضح اور مثبت انداز میں پیش کیا، اس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مذاہب کا مطالعہ اسلام کی روشنی میں کس نہج پر ہونا چاہیے۔ مسلمان محققین کو اسی کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس میدان میں ہم بہت پیچھے ہیں۔ یہ ایک بڑا خلا ہے جسے پر ہونا چاہیے اور جلد پر ہونا چاہیے۔

☆☆☆

دعوت و تربیت - اسلام کا نقطۂ نظر

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ کتاب دو طرح کے مضامین پر مشتمل ہے۔ کچھ مضامین دعوتی نوعیت کے ہیں، جن میں میں پورے زور اور قوت کے ساتھ امت کو فریضۂ دعوتِ دین کی ادائی کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ کچھ مضامین تربیتی اور اصلاحی نوعیت کے ہیں، جن میں امت کو اصلاح احوال کی جانب متوجہ کیا گیا ہے اور اس کی تدابیر بتائی گئی ہیں۔ صفحات: ۱۳۶، قیمت -/۵۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

ضرورت ہے

۱- **تین ایسے اھل علم**، جوعلوم دینیہ میں دست رس کے ساتھ عصری علوم، خاص طور سے انگریزی زبان کی واقفیت رکھتے ہوں، جنھیں تحقیق وتصنیف کا تجربہ ہواور جن کے مقالات یا کتابیں شائع ہوچکی ہوں۔ منتخب افراد کا مشاہرہ تقریباً دس ہزار روپے ماہانہ ہوگا۔ اطمینان بخش کارکردگی کی صورت میں مستقل ہونے پر حسب ضابطہ گریڈ مع تمام الاؤنسز اور دیگر مراعات فراہم کی جائیں گی۔

۲-**ایسے اسکالرس** (دوسالہ تصنیفی تربیت کورس کے لیے)، جو مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا شوق رکھتے ہوں اور امت مسلمہ کی فکری رہنمائی کے لیے اپنی علمی استعداد میں اضافہ کے خواہش مند ہوں، انھیں دوسالہ تربیتی کورس کے دوران قیام کی سہولت کے علاوہ تین ہزار روپے ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا اور بہتر کارکردگی کی صورت میں ایک سال بعد مبلغ پانچ سو روپے کا اضافہ کردیا جائے گا۔ خواہش مند افراد کی عمر ۲۵/سال سے زیادہ نہ ہو اور وہ کسی کالج یا یونیورسٹی سے ایم-اے- ہوں، یا کسی معروف عربی درس گاہ سے فضیلت یا اس کے مساوی سند کے حامل ہوں۔

۳- **ایک ایسا فرد**، جو لائبریری سائنس کا طالب علم رہ چکا ہو، جس کی اردو زبان کے ساتھ عربی اور فارسی زبان سے بھی قدرے واقفیت ہو اور کسی لائبریری میں کم ازکم دوسال کام کرنے کا تجربہ ہو۔ مشاہرہ تقریباً سات ہزار روپے ماہانہ ہوگا۔ بہتر کارکردگی کی صورت میں اضافہ متوقع ہے۔

درخواست کے ساتھ اپنے کوائف مع اسناد کی نقول درج ذیل پتے پر ارسال فرمائیں۔
درخواست جمع کرنے کی آخری تاریخ ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۱ء ہے۔

ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی (سکریٹری)
ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی
نبی نگر، جمال پور، پوسٹ باکس ۹۳ علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲
موبائل نمبر: 09897655171, 9410060558
Email: tahqeeqat_islami@yahoo.com
tahqeeqateislami@gmail.com

تحقیق وتنقید

تفسیرِ نویں- ایک مطالعہ

پروفیسر کبیر احمد جائسی

خراسان کے ایک کوردہ اور دور افتادہ مقام مازینان میں ایک متقی اور فقہ جعفری پر عامل ایسا خاندان آباد تھا، جس کے افراد ایک مدت سے گم کردہ راہوں کو راہِ ہدایت دکھا رہے تھے۔ اسی خانوادے میں مشہور مذہبی عالم محمد تقی شریعتی کے والد آخوند حکیم بھی تھے، جو مازینان سے متصل ایک دوسرے کوردہ علاقے بہمن آباد میں رہنے لگے تھے۔ ڈاکٹر علی شریعتی نے اپنے دادا آخوند حکیم کے بارے میں اپنی کتاب 'کویر' میں جو اطلاعات فراہم کی ہیں اس کا لب لباب یہ ہے کہ آخوند حکیم نے ناصرالدین شاہ قاچار (۱۸۳۰-۱۸۹۱ء) کا زمانہ پایا تھا۔ انھوں نے فقہ اور فلسفہ میں اتنا اختصاص پیدا کرلیا تھا کہ ایک کوردہ علاقے میں بود و باش رکھنے کے باوجود ان کی علمیت اور شہرت کا دؤ ردؤ رڈ نکا بجنے لگا تھا۔ شدہ شدہ اس کی اطلاع ناصرالدین شاہ قاچار کو بھی ہوئی۔ اس نے آخوند حکیم کو ان کی جائے قیام سے بلاکر مدرسۂ سپہ سالار تہران میں فلسفہ کی تعلیم دینے پر مقرر کیا، لیکن تہران میں اُن کا دل نہ لگا اور وہ سال دو سال کے اندر ہی اندر بہمن آباد واپس آ گئے اور وہیں تادم حیات فقہ وفلسفہ کی تعلیم کی شمع جلائے رہے۔

تعارف مصنف

محمد تقی شریعتی کی ابتدائی تعلیم وتربیت آخوند حکیم کی زیرنگرانی ہوئی۔ بعد ازآں ان کو تہران بھیج دیا گیا، جہاں انھوں نے اعلیٰ مذہبی تعلیم حاصل کی، لیکن اپنی خاندانی روایات کو توڑتے ہوئے انھوں نے اپنی زادہ گاہ کی طرف مراجعت نہ کی اور شہر ہی میں آباد ہوگئے۔ بہ قول علی شریعتی محمد تقی شریعتی نے ایک مذہبی نیم سیاسی تحریک کا جنبشِ

نوینِ اسلامی' کے نام سے آغاز کیا تھا۔ افسوس ہے کہ ہم کو اس کا علم نہ ہوسکا کہ یہ تحریک کب تک جاری رہی؟ اور ایران کے معاشرے پر اِس کے کیا اثرات پڑے؟ آقای محمد تقی شریعتی کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ اُن کو اپنے ہونہار، فعّال جوان بیٹے علی شریعتی کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ آفرین ہے اُن کی ہمت کو کہ انھوں نے زندگی کے اِس نازک موڑ پر بھی اپنے مشن سے روٗگردانی نہ کی اور اپنے تبلیغی کاموں کو تادم واپسیں جاری رکھا۔ علی شریعتی کے انتقال یا قتل (۱۹۷۷ء) سے پہلے آقای محمد تقی شریعتی کو قید و بند کی بھی زندگی گزارنی پڑی۔ وجہ یہ تھی کہ علی شریعتی اپنے انتقال سے تقریباً چھ سات برس پہلے تہران کے مدرسۂ حسینیہ میں رضا شاہی حکومت کے خلاف تقریر کیا کرتے تھے۔ موضوع اسلام کا کوئی نہ کوئی پہلو ہوتا تھا، مگر اثنائے تقریر وہ حکومت کی پالیسیوں کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیا کرتے تھے۔ ان کی تقریروں سے حکومت کے کارندوں کو بغاوت کی بوٗ آتی تھی۔ جب علی شریعتی کی لَے تیز سے تیز تر ہونے لگی تو رضا شاہ کی خفیہ پولس (ساواک) نے مدرسۂ حسینیہ کو بند کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ وہاں علی شریعتی کا کوئی جلسہ نہ ہوسکے۔ مدرسہ کو بند کرنے کے بعد ساواک نے علی شریعتی کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کی اطلاع کسی طرح علی شریعتی کو مل گئی اور وہ روٗپوش ہوگئے۔ ان کی روٗپوشی کی کھسیاہٹ میں ساواک نے آقای تقی شریعتی کو گرفتار کرکے جیل میں بند کردیا۔

علی شریعتی اپنے والد کی گرفتاری کو بہت دنوں تک برداشت نہ کرسکے اور دوماہ کے بعد منظرِعام پر آگئے۔ آتے ہی ان کو گرفتار کرلیا گیا اور کچھ دنوں کے بعد ان کے والد کو رہا کردیا گیا۔ اِس طرح انھوں نے سنتِ یوسفی بھی ادا کی۔ افسوس کہ جگہ جگہ کی خاک چھاننے کے بعد بھی مَیں اِس سے زیادہ آقای محمد تقی شریعتی کے حالات جمع نہ کرسکا۔ مزید افسوس یہ کہ اس بات کی بھی تحقیق نہ کی جاسکی کہ جس وقت ایران کا اسلامی انقلاب برپا ہوا وہ باحیات تھے، یا نہیں؟

تفسیر نویں

تقی شریعتی نے اور کتابیں لکھنے کے علاوہ 'تفسیر نوین' کے نام سے صرف تیسویں پارے کی فارسی زبان میں ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ انھوں نے اپنے مقدمے میں اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے کہ صرف آخری پارے کی تفسیر کیوں لکھی؟ اِس لیے ہم بھی اس سوال کو تشنہ چھوڑتے ہیں اور اُن کے تحریر کردہ مقدمے کا قدرے تفصیل سے جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ قرآن کے بارے میں ان کے خیالات تک رسائی حاصل کی جاسکے۔

حفاظتِ قرآن

آقای محمد تقی شریعتی اِس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کو جس ترتیب سے لکھنے کا حکم دیا تھا، اسی ترتیب کے ساتھ وہ چودہ سو برس گزرنے کے باوجود محفوظ ہے۔ موجودہ قرآن ہر طرح کے تغیّر، تحریف اور تصرّف سے بچا ہوا ہے۔ اِس میں نہ تو کوئی لفظ بڑھایا گیا ہے نہ حذف کیا گیا ہے اور اِس خیال پر مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہے، حالاں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو خط رائج تھا وہ کوفی تھا، جس پر نہ اعراب لگایا جاتا تھا اور نہ ہی نقطے۔ اب تک کروڑوں کی تعداد میں کلام پاک کے نسخے شایع ہو چکے ہیں، مگر کسی ایک نسخے یا ایک طباعت میں ایک نقطے یا اعراب کا فرق نہیں ملتا۔ انھوں نے اس بات پر اظہار تعجب کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''مہم تر از ہمہ این کہ بعد از عثمان (ؓ) زمام خلافت اسلامی بدست دشمنان اسلام ومخالفان قرآن افتادہ است کہ در رأس آن ہا معاویہ پلید است کہ باتمام قوا در ریشہ کن کردن اسلام می کوشید وسخت ناراحت بود کہ چرا نام ابوبکر وعمر وعثمان بعد از مرگ شان فراموش شدہ و نام آن مرد ہاشمی (مقصودش پیغمبر است) ہر صبح وظہر وشام بہ عظمت در ہمہ جا بردہ می شود۔ پسرش یزید باصراحت می گوید ''قبیلۂ ہاشم با پادشاہی بازی کردند

نہ خبری از آسمان آمدہ و نہ وحی نازل شدہ است'' وبازمی گوید ''من با خاندانِ احمد باید انتقام بکشم۔ انتقام کارہای کہ کردہ اند کہ خون ہائ کہ در بدر وغیر بدر ریختہ اند''۔۲(ص ۱۵)

(سب سے اہم بات یہ ہے کہ عثمانؓ کے بعد خلافت کی باگ ڈور اسلام کے دشمنوں اور قرآن کے مخالفوں کے ہاتھوں میں آئی، جن کا سرگروہ معاویہ پلید ہے جو اپنی تمام طاقت وقوت سے اسلام کی بیخ کنی کی کوشش کرتے تھے اور اس بات پر بہت زیادہ ناراض تھے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے نام اُن کی موت کے بعد کیوں بھلادیے گئے اور اُس ہاشمی شخص (اُن کا مطلب پیغمبر سے تھا) کا نام ہر صبح دوپہر اور شام کو ہر جگہ عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ اُن کے لڑکے یزید صراحت کے ساتھ کہتے تھے: ''قبیلۂ بنی ہاشم نے بادشاہت سے کھیل کھیلا نہ آسمان سے کوئی خبر آئی اور نہ وحی نازل ہوئی۔ مجھ کو احمد (ﷺ) کے خاندان سے بدلہ لینا چاہیے۔ اُن کاموں کا بدلہ لینا چاہیے جو انھوں نے کیا ہے اور اُس خون کا جو انھوں نے (جنگ) بدر میں اور دوسری جنگوں میں بہایا ہے)۔

یہ سب لکھنے کے بعد بھی تقی شریعتی کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تو انھوں نے خلفائے بنی امیہ کی قدح میں اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ خلفائے بنی امیہ کے علاوہ ان کے عمّال کی بھی 'بداعمالی' (توہینِ قرآن) کا 'تجارب السلف' کے حوالے سے 'پردہ فاش' کیا ہے اور اپنے تمام فرمودات سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امویوں کی تمام کوششوں کے باوجود قرآن پر کوئی اثر نہیں پڑا اور وہ محفوظ و مامون رہا۔۳

آقای محمد تقی شریعتی اس بات کے قائل ہیں کہ کلام اللہ، رسول اللہ ﷺ کے عہد حیات ہی میں جمع اور مدوّن ہوا اور آج تک بلا کسی کمی بیشی کے موجود ہے۔ انھوں نے اس بحث کو خاصا پھیلا کر لکھا ہے، جس کو ہم نے ان کے قائم کردہ عنوان کے مطابق تحریر کردیا ہے۔ اِسی کے ساتھ انھوں نے اس بات سے بھی بحث کی ہے کہ آج جو قرآن

ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کی ترتیب نزولی نہیں ہے، بلکہ اسے جس طرح آں حضرت نے مرتّب کروایا تھا عین اُسی کے مطابق ہے۔ اِس نکتہ کو انھوں نے ایک طویل بحث کے ذریعے پیش کیا ہے جس کا اختصار ہم نے اپنے الفاظ میں تحریر کر دیا ہے۔ اِس کے بعد فرماتے ہیں:

''حال باید دید در این صورت چرا عثمان قرآن را اِستنساخ کرد وچہ نیازی بہ این کار بود''

(اب دیکھنا یہ چاہیے کہ اس صورت میں عثمانؓ نے قرآن کو کیوں لکھوایا اور اِس کی کیا ضرورت تھی؟)

اختلافِ قراءات اور حضرت عثمانؓ کا کارنامہ

بعد از آں 'موضوع اختلاف قراءات' کے عنوان سے ایک چھوٹی سی بحث ہمارے سامنے آتی ہے، جو صفحہ بائیس اور تیئیس پر ایک صفحہ میں سمیٹ لی گئی ہے۔ مفسر نے اپنی گفتگو کا خاتمہ جن الفاظ میں کیا ہے اس کو یہاں نقل کر دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''فعلاً ما کاری باختلاف شیعہ وسنّی ومجال بحث در موضوع در اختلاف در قراءت وعلل واسبابش را نہ داریم فقط می خواہیم توجہ بدہیم کہ اختلاف قراآت درحیات پیغمبر میان صحابہ بودہ است وہیچ گاہی کسی را برای این اختلاف تخطئہ یا تفسیق وتکفیر نہ کردند''

(اس وقت ہم شیعہ سنّی اختلاف قراءت اور اُس کے علل واسباب سے کوئی سروکار نہیں رکھتے اور اس موضوع پر مجالِ بحث بھی نہیں رکھتے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اِس پر توجہ دیں کہ پیغمبر (ﷺ) کے عہد حیات میں صحابہ کے درمیان قراآت کا اختلاف تھا اور اِس اختلاف کے لیے کسی کو خاطی یا فاسق یا کافر قرار نہیں دیا گیا)

تقی شریعتی اِس بات کے قائل ہیں کہ اختلاف قراآت کسی بنا پر کسی کو کافر یا فاسق قرار نہیں دیا گیا۔ اِس کے باوجود انھوں نے 'اختلافِ قراءت' منشأ اختلاف ونزاع میشود' کے عنوان سے مزید بحث کی ضرورت محسوس کی۔ اُن کی تحریر کو ہر جگہ من وعن نقل کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

وہ اِس بات کے قائل ہیں کہ جب مختلف جنگوں میں قرّاء کی کثیر تعداد شہید ہونے لگی تو ان کے دور کی قرأت کے جو اختلافات تھے وہ اُن کے شاگردوں کے ذریعے عام ہونے لگے۔ نوبت یہ آ گئی کہ لوگ ایک دوسرے کی قراءت اور املا پر مجادلہ کرنے لگے۔ یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کو فاسق اور کافر بھی قرار دینے لگے۔ وہ اقوام جو مرکز خلافت سے دور تھیں ان کے یہاں یہ اختلافات دوسری جگہوں سے زیادہ رؤنما ہونے لگے۔ 'دل سوز اور با ایمان' مسلمان اِس صورت حال سے جب بہت مضطرب ہونے لگے تو انھوں نے اس اختلاف قراءت پر، جو کہ فتنہ وفساد کا سبب بنتا جا رہا تھا، خلیفہ کو متوجہ کیا اور اُن سے اصرار کیا کہ قرآن کو ایک قراءت پر مدوّن کر کے تمام اختلافات کا خاتمہ کر دیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان حضرات کے اصرار کو قبول کرتے ہوئے حضرت زید بن ثابتؓ سے قرآن کو ایک قراءت پر مدوّن کروایا۔ تقی شریعتی نے لکھا ہے کہ ''این است تمام کاری کہ عثمان انجام دادہ است وقطع نظر از سوزاندن مصاحف کار بسیار خوبی ہم بودہ است'' (یہ ہے وہ تمام کام جو عثمان نے انجام دیے ہیں۔ قرآن پاک کے نسخوں کو نذر آتش کرنے سے قطع نظر یہ کام بہت اچھا تھا) یہاں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ تقی شریعتی قرآن کو ایک قراءت پر مدوّن کروانے کے حضرت عثمانؓ کے عمل سے کوئی اختلاف نہیں کرتے، بلکہ وہ اس کو 'کار بسیار خوبی' (بہت اچھا کام) قرار دیتے ہیں، مگر جس طرح حضرت عثمانؓ نے دیگر مصاحف کو تلف کروایا اس سے انہیں اختلاف ہے۔ میرے نزدیک اب یہ بحث بے کار ہے کہ دیگر مصاحف کو دفن کروا دینا مناسب تھا یا جلوانا۔ جلوانے میں خلیفۂ وقت نے کیا مصلحت دیکھی، اس کا جواب صدیاں گزر جانے کے بعد شاید ہی کوئی دے سکے۔ بہر حال حضرت عثمانؓ کی اس جرأت سے مسلمانوں میں

اختلاف قراءت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا اور ساری امت مسلمہ ایک قرأت پر مجتمع ہوگئی۔

اس 'کارِ خوبی' کے باوجود اُن کو اِس کے بعض پہلو سے اختلاف بھی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے عمل کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ اِس کو وہ 'جانب داری از خلفا' کا نام دیتے ہیں۔ اُن کو اِس بات کی شکایت ہے کہ 'طرف دارانِ خلفا و دوستان مفتون خلفا' پہلے تو اِس بات کے مدّعی ہوئے کہ پیغمبرﷺ کے عہد حیات میں قرآن مرتّب نہیں ہوا تھا۔ اس سلسلے میں سنّی (طرف دارانِ خلفا و دوستانِ مفتون خلفا) جو کچھ کہتے ہیں وہ سب بچکانہ باتیں ہیں۔ جن اصحاب کو اِس موضوع سے دلچسپی ہو وہ مزید مطالعے کے لیے 'تفسیرِ نویں' کے صفحہ ۲۴ کا مطالعہ کرلیں۔ اِسی سلسلۂ سخن میں انھوں نے سنّیوں کی 'تناقض گوئی' کی بزعم خود نشان دہی کی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ اِس کا ردّ عمل بھیانک انداز میں سامنے آیا کہ بعض 'مخالفین خلفا' (شیعہ) نے ان کو خیانت سے متہم کیا اور کہا:

> ''این ہا قرآن را تحریف کردہ آیاتی را کہ در نکوہش خود شان یا ستائشِ خاندان پیغمبر بودہ است از آن برداشتہ افرادی مغرض ہم موقع را مغتنم شمردہ روایاتی در تحریف قرآن جعل کردند''
>
> (ان لوگوں نے قرآن میں تحریف کی اور وہ آیتیں جو اِن کی (سنیوں؟) ملامت یا پیغمبر کے خاندان کی فضیلت میں تھیں، قرآن سے نکال دیں، غرض مند افراد نے بھی اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے تحریفِ قرآن کی جعلی روایتیں گھڑیں)

قرآن غیر محرّف ہے

سنیوں سے ہر طرح کا اختلاف کرنے کے باوجود یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ محمد تقی شریعتی 'افرادی مغرض' (غرض مند افراد) کو جعلی روایتوں کا بانی مبانی قرار دیتے ہیں، تمام

سنیوں کو نہیں۔ بہتر ہوتا کہ وہ ان غرض مند افراد کی نشان دہی بھی کر دیتے۔ انھوں نے مقدمہ میں ایک بحث اس موضوع پر بھی کی ہے کہ عہد بعثت میں کون سا خط مکہ میں معمولاً مستعمل تھا اور کون سا مدینہ میں؟ اس فنّی یا علمی بحث سے قطع نظر ایک دل چسپ بحث کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں، جس کا عنوان ہے 'عدم تحریف بوسیلۂ شیخین'۔ اس عنوان کے مندرجات کو بہت احتیاط سے ٹھہر ٹھہر کر غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے، تاکہ مصنف کے فرمودات کی زیریں لہروں تک رسائی حاصل کی جاسکے۔

ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ 'استنساخ قرآن' کی بات ہوتی، امورِ خلافت طے ہو چکے تھے، حالاں کہ پیغمبر (ﷺ) کے جسم اطہر کی تدفین بھی نہ ہوئی تھی۔ ابوبکرؓ نے پیغمبر (ﷺ) کا لباس اپنے جسم پر پہنا، ان کے منبر پر بیٹھے اور تمام امور کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لی تو اُن کو تحریفِ قرآن کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ مزید برآں قرآن لوگوں کے ہاتھوں اور سینوں میں محفوظ تھا۔ کسی مسلمان نے کیوں کوئی بات (تحریف قرآن کے سلسلے میں) نہیں کہی اور نہ ہی کوئی ایسی آیت پڑھی، حتّٰی کہ سقیفہ میں کسی ایسی آیت سے استناد نہیں کیا گیا جو خلافت سے متعلق ہوتی اور جس میں شیخین کی مذمّت کی گئی ہوتی۔ یہ دلیل ہے شیخین کے 'عدم تحریف قرآن' کی۔ چوں کہ حضرت عثمان نے قرآن کو ایک املا اور ایک قرأت پر لکھوایا اور وہ قراءت منتخب کی جو پیغمبر (ﷺ) کے زمانے سے چلی آرہی تھی، اس طرح حضرت عثمانؓ بھی تحریف قرآن کے الزام سے بری ہیں۔ ان تمام دلائل سے بڑھ کر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ 'عمل علیؑ حجّتِ قاطع است' چوں کہ حضرت علیؑ کا عمل حجّت قاطع ہے اور وہ عدم تحریفِ قرآن کے ماننے والے ہیں، اس لیے شیعوں کے نزدیک تحریف قرآن کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ اس عنوان کے تحت جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس کے بڑے حصّے سے سنّی علما کو بھی اختلاف نہ ہوگا۔ یہاں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تحریر کی ابتدائی آٹھ دس سطریں نقل کردوں، تاکہ ان کے خیالات کا ایک واضح نقشہ ہمارے سامنے آجائے اور صدیوں کی پھیلی ہوئی غلط فہمی کا کسی قدر ازالہ ہوسکے:

''امیر المومنین علی علیہ السلام بلا فاصلہ پس از عثمان بخلافت رسید و باشہامت ادبی مخصوص بخود حتّٰی روی منبر از خلفا انتقاد کرد ولی در بارۂ قرآن وتحریف قرآن وتصرف درآن نہ باصراحت و نہ باکنایہ در ہیچ مورد وہیچ گاہ سخنی گفت ہم چنانکہ درزمانِ حیات شان بھیچ کس یک کلمہ نہ فرمود و با این کہ بسیاری اوقات طرفِ مشورت آنان قرار میگرفت و راہنمائی شان میفرمود واشتباہاتِ شان رااصلاح وقضاوت ہای شان رارد می نمود وحکم الٰہی وصحیح رابیان می کرد درین موضوع چیزی ابراز نہ کرد، بعلاوہ درنہج البلاغۂ شریف مکرراز قرآن یاد کردہ وخطبہ ہادرفضیلت این کتاب الٰہی ایرادومردم راباستفادہ ازہمین قرآن موجودتحریض وتشویق فرمودہ است وابداً نہ گفتہ است کہ قرآن رامن بہ کمال وتمام دارم وخلفا آیاتی درموقع استنساخ ازآن حذف وکسر کردہ اند ہا نطوری کہ دیگران قرن ہابعدازعلی چنین مطلبی راعنوان کردہ اند، مولیٰ درنہج البلاغہ مکرر در موضوع خلافت وحکومت سخن گفتہ وشرایط زمامداریٔ اسلامی وحقوق رعیت بروالی دوالی برعیت را شرح دادہ اند و پیداست کہ او و خاندان جلیلش خود شان را سزاوارتر بامارت وخلافت می دانستہ و دیگران را غاصب می شمردہ اند و بہ لیاقت و احادیث و وصایای پیغمبر استناد و استدلال می کردہ اند ولی حتّٰی برای نمونہ یک مورد رانمی توان یافت کہ بآیہ ای ازقرآن کہ تصحیح بہ این مطلب کردہ باشد استشہادفرمودہ باشد''۵

[(حضرت) عثمان (ؓ) کے بعد امیر المومنین علی علیہ السلام بلافصل خلیفہ ہوئے۔ وہ اپنی مخصوص بے باکی سے خلفاء پر تنقید کرتے، لیکن قرآن اور تحریف قرآن اور اپنے مقصد کے مطابق قرآن میں ردّ و بدل کرنے کے سلسلے میں نہ صراحتاً نہ کنایتاً کبھی بھی اور کسی بھی موقع پر انھوں نے کوئی بات نہیں کی۔ اِسی طرح اُن (لوگوں) کے عہد حیات میں کسی

سے (اِس موضوع پر) کوئی بات کی، باوجودیکہ وہ بہت سے مواقع پر اُن کو مشورے دیتے، ان کی راہ نمائی کرتے، ان کے شکوک کی اصلاح کرتے، اُن کے فیصلوں کو رد کرتے اور اللہ کے صحیح احکام بیان کرتے تھے۔ انھوں نے اِس موضوع (تحریفِ قرآن) پر کسی بھی خیال کا اظہار نہیں کیا۔ اِس کے علاوہ نہج البلاغہ میں بار بار قرآن کا ذکر کیا اور اِس کی فضیلت پر خطبے دیے اور لوگوں کو اِسی موجودہ قرآن سے استفادہ کرنے کا اشتیاق و رغبت دلایا۔ انھوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میرے پاس مکمل قرآن ہے اور خلفاء نے قرآن لکھے جاتے وقت اس میں سے کوئی آیت کم کی ہو جس طرح صدیوں بعد دوسرے (؟) لوگوں نے اِس طرح (یعنی تحریف قرآن) کی باتیں اُن سے منسوب کی ہیں[۶]۔ اِسی طرح انھوں نے نہج البلاغہ میں بار بار خلافت اور حکومت کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے اور اسلامی حکم رانی کی شرطیں، رعیّت پر والی کے حقوق اور والی پر رعیّت کے حقوق کی تشریح کی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اپنے واجب الاحترام خانوادے کو دوسروں کے مقابلے میں امارت و خلافت کا (زیادہ) حق دار سمجھتے تھے اور دوسروں (خلفاء) کو غاصب گردانتے تھے اور اِس بات پر اپنی لیاقت (؟) سے، حدیثوں اور پیغمبر (ﷺ) کی وصیتوں سے سند پیش کرتے تھے، لیکن نمونے کے طور پر بھی ایک موقع ایسا نہیں پایا جاسکتا کہ کسی ایک قرآنی آیت سے انھوں نے اِس موضوع (یعنی تحریف قرآن) پر کوئی شہادت پیش فرمائی ہو]۔

تحریفِ قرآن کی تمام روایات ناقابلِ اعتبار ہیں

محمد تقی شریعتی نے آقائی خوئی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ تحریف قرآن کے سلسلے میں تمام (شیعہ) روایتیں سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں، کیوں کہ ان کا ایک حصہ احمد بن محمد بیساری کی کتاب سے نقل ہوا ہے، جس کے بارے میں علمائے رجال کا اتفاق

ہے کہ وہ فاسد المذہب اور تناسخ کا قائل تھا، یا پھر علی بن احمد کوفی کی روایات سے لیا گیا ہے، جو تمام علماء کی تصریح کے مطابق فاسد المذہب اور جھوٹا تھا۔ے اِن تمام باتوں کا ذکر کرنے کے بعد تقی شریعتی نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کے عدمِ تحریف پر علمائے شیعہ کا اجماع ہے۔ میرے محدود علم کے مطابق چند مستثنیات کو چھوڑ کر اُن کا یہ دعویٰ درست ہے اور جن لوگوں نے تحریفِ قرآن کا نظریہ پیش کیا ہے ان کے نظریے کو قبولِ عام کی سند نہیں حاصل ہوسکی ہے۔ اِس مقام پر بھی تقی شریعتی نے سنّیوں، بالخصوص حضرت عمرؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی مذمّت کرنے کا راستہ ڈھونڈھ ہی لیا ہے۔ اِن دونوں برگزیدہ ہستیوں پر انھوں نے نہ صرف تحریفِ قرآن کا قائل ہونے کا الزام لگایا ہے، بلکہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد اور سیوطی کی الاتقان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حضرات قرآن کی بعض آیتوں کے محذوف ہونے کے قائل تھے۔ اسِ لیے علمائے شیعہ کے مقابلے میں علمائے تسنّن عقیدۂ تحریف رکھنے کے زیادہ ملزم ہیں۔ اپنے تمام فرمودات کا ماخذ انھوں نے 'البیان' (مقدمہ، ص ۱۲۹) کو قرار دیا ہے، مگر یہ تحریر نہیں کیا کہ اِس کا سنۂ طباعت و جائے طباعت کیا ہے؟ سنّی علماء میں انھوں نے شیخ ابوزہرہ کی منصف مزاجی کی تعریف کی ہے، مگر ان کا خیال ہے کہ شیعی عقاید سے ناواقفیت اور روایت اور رائے کے فرق سے ناآگہی کی وجہ سے ابوزہرہ کلینی پر ناروا اعتراض کر گئے ہیں۔ کلینی کے دفاع میں انھوں نے علمائے قدیم سے لے کر آج تک کے علماء کے ان خیالات کی طرف مجمل اشارے کر دیے ہیں جن کی بنا پر ابوزہرہ نے کلینی پر اعتراض (؟) کیا ہے۔ ان مباحث کو آقای محمد تقی شریعتی نے پھیلا کر تحریر کیا ہے۔ جن حضرات کو اِس موضوع سے دل چسپی ہو وہ اصل کتاب سے رجوع فرمالیں۔

معجزۂ قرآن

دوسرے علما کی طرح تقی شریعتی نے بھی خود قرآن کو 'معجزہ جاویدان' گردانا ہے۔ ان کے اِس اعتراف میں کوئی ندرت نہیں ہے، کیوں کہ علمائے اسلام، خواہ شیعہ

ہوں یا سنّی، اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن بجائے خود معجزہ ہے۔ اس ضمن میں تقی شریعتی نے لکھا ہے کہ ہر پیغمبر کو اپنے زمانے کے کوائف کی مناسبت سے معجزہ سے نوازا گیا تھا۔ انھوں نے ابن سکیت کی ایک روایت کا، جسے کلینی نے اپنی کتاب کافی میں نقل کیا ہے، حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا فرمائے گئے وہ جادوگری کے کاموں کے مشابہ تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں امراض کی فراوانی تھی، اس لیے ان کو طبیبوں کے کاموں کے مشابہ معجزات سے نوازا گیا۔ آں حضرت ﷺ کے معاشرے میں چوں کہ شعر و خطابت کی گرم بازاری تھی، اس لیے آپؐ کو قرآن بہ طور معجزہ عطا کیا گیا (ص ۳۴)۔

محمد تقی شریعتی نے اعجاز قرآن کے موضوع پر شرح و بسط کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔ اگر ہم ان کے فرمودات کی تلخیص پر ہی اکتفا کریں تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔ اس لیے بات کو طول دینے کے بجائے صرف اتنا لکھنا کافی ہوگا کہ ان کے نزدیک تفاسیر کا شمار بھی ایک نوع کے معجزے کے ضمن میں کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ کلام پاک کی جتنی شرحیں (یا تفسیریں) آج تک معرض وجود میں آچکی ہیں اتنی شرحیں دنیا کی کسی کتاب کی نہیں لکھی گئی ہیں۔ مزید یہ کہ یہ شرحیں ہر رنگ کی ہیں، یعنی بہت سی تفسیریں حدیثوں کی روشنی میں لکھی گئی ہیں، کچھ لوگوں نے متصوفانہ اور کچھ لوگوں نے تاریخ کی روشنی میں لکھی ہیں۔ حتّٰی کہ ہمارے دور میں جدید اکتشافات و ایجادات کی روشنی میں بھی کلام اللہ کی تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ خود تقی شریعتی نے اپنے مقدمہ میں قرآن کی سائنسی تفسیر کی بعض مثالیں پیش کی ہیں۔ مثلاً انھوں نے لکھا ہے کہ قرآن کی بہت سی آیتوں میں زمین اور آسمان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قرآن میں یہ بیان ملتا ہے کہ اول اول تمام کرّے دھوئیں کی شکل کے تودے تھے، اس کے بعد سب کُرّے، جو ایک دوسرے میں پیوست ہوگئے تھے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے الگ الگ ہوگئے اور ہر کُرّے کی گردش الگ الگ مدار پر متعین کردی گئی اور ان کا اتنا فاصلہ مقرر کیا گیا کہ ایک دوسرے کو اپنے میں جذب نہ کریں۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے انھوں نے جو نکتہ

آفرینیاں' کی ہیں ان کا احاطہ کرنا اس موقع پر دشوار ہے اور ان کا تحلیل و تجزیہ کرنا اور ان پر تنقیدی نظر ڈالنا بھی ممکن نہیں ہے۔ مثلاً ان کے نزدیک 'ہوا شناسی' (ہوا کا دباؤ معلوم کرنے کا علم) جو جدید ترین علم ہے، اس کا تعجب خیز انداز میں کلام اللہ میں ذکر موجود ہے۔ اس سلسلے میں وہ ان آلات کا بھی ذکر کرتے ہیں جن سے گرمی اور دباؤ ناپا جاتا ہے (ان کے الفاظ میں 'گرما سنج' اور فشار سنج) ان آلات کی ایجاد ستر ہویں صدی عیسوی میں فرمودۂ کلام کی روشنی میں ہوئی ہے، مزید برآں انیسویں صدی کی 'اختراعِ تلگراف باسیم و بی سیم' (سلکی و لاسلکی ٹیلی گراف کی ایجاد) انیسویں صدی اور بیسویں صدی کی ایجاد، 'بالون و ہما پیما' (بیلون اور طیارہ) کو بھی وہ قرآنی آیات کی روشنی میں واقع ہونے والی ایجادات قرار دیتے ہیں۔

یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ جدید سائنسی اکتشافات کی روشنی میں کلام اللہ کی تفسیریں لکھنا اور ہر سائنسی نظریے کو کلام اللہ سے ثابت کرنا بہت خطرناک عمل ہے۔ کلام اللہ دائمی حقایق کا حامل ہے، جن میں کوئی رد و بدل نہیں ہوسکتا اور سائنس ایک نظریاتی علم ہے، جس میں تحقیق کے بعد ردّو بدل ہوتا رہتا ہے۔ اگر سائنس کا ایک نظریہ غلط ثابت ہوجاتا ہے تو اس نظریے کی صداقت ثابت کرنے کے لیے جو قرآنی آیت پیش کی گئی ہوتی ہے اس پر بھی زد پڑتی ہے۔ ہم مسلمانوں کا یقین کامل ہے کہ سائنسی نظریات غلط ثابت ہوسکتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں، مگر کلام اللہ کا ایک لفظ بھی حقیقت سے بعید نہیں ہے، اس لیے اس روش کی سختی سے مخالفت کرنے کی ضرورت ہے کہ جہاں کوئی نیا سائنسی نظریہ سامنے آئے اس کی روشنی میں فوراً کلام اللہ کی تفسیر کی جانے لگے۔ قرآن کوئی سائنس کی کتاب نہیں ہے، اس بات کو ہمارے علما بھی کہتے آئے ہیں اور بار بار بتلاتے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے احکام کی حامل کتاب ہے جس میں حکمت و پند و موعظمت اور وعید بھی شامل ہے۔

کتاب کے پینسٹھ (۶۵) صفحات کے مقدمہ کا ہم نے سرسری سا ایک تعارف کرادیا ہے۔ چوں کہ میرا مسلک (عربی میں مذہب) آقای محمد تقی شریعتی کے مسلک

سے الگ ہے، اس لیے میں نے ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا ہے کہ باہمی مجادلہ ومناظرہ کی صورت پیدا ہو، صرف مباحث کا تعارف کرادینے پر اکتفا کیا ہے۔ انھوں نے یہ مقدمہ بہت محنت سے اور بہت سی کتابیں پڑھ کر تحریر فرمایا ہے۔ معتبر شیعی مراجع اور اہل تسنّن کی بعض تصانیف کے ساتھ انھوں نے ان انگریزی کتابوں کے فارسی ترجموں سے بھی مدد لی ہے جن تک ان تک دسترس ہوسکی ہے۔ قرآن پاک کی تفسیریں لکھی جاتی رہی ہیں اور تا قیامت لکھی جائیں گی، مگر ان میں سے کوئی تفسیر ہمارے مسلک کے مطابق حرفِ آخر نہ ہوگی، سوائے ان آیتوں کی تفسیر کے جن کو آں حضرت ﷺ نے خود بیان فرمایا ہے۔

حواشی ومراجع

۱ آقای محمد تقی شریعتی نے یہ روایت 'ابوطاب مومنِ قریش' مؤلفہ عبداللہ خیزی سے نقل کی ہے۔ بہ قول خیزی یہ روایت مغیرہ بن شعبہ کے فرزند سے مروی ہے، جن کے سامنے حضرت معاویہؓ نے اِن خیالات کا برملا اظہار کیا تھا۔ عبداللہ خیزی کے ماخذ کا ہم کو علم نہیں ہوسکا۔ شاید اصل کتاب میں ہو۔

۲ بہ قول آقای محمد تقی شریعتی یہ خیالات یزید کے اشعار سے ماخوذ ہیں۔

۳ خلاصہ صفحہ ۱۶۔ تجارب السلف کا حوالہ نامکمل ہے، صرف صفحہ نمبر درج کیا گیا ہے۔

۴ عدم تحریف کی پوری بحث کے لیے صفحہ ۳۱ تا ۳۴ ملاحظہ ہو۔

۵ ص ۳۴

۶ ''عنوان کردہ اند'' کا اردو ترجمہ بھونڈا ہوتا، اس لیے مرادی ترجمہ کردیا گیا ہے۔

۷ ص ۳۴

☆☆☆

ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیاں

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق

اسلامی تہذیب وتمدن کے مزاج کا اظہار اگر ایک لفظ میں کرنا ہوتو اس کے لیے علم سے زیادہ جامع کوئی دوسرا لفظ نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ اسلام سے قبل دنیا کے بعض خطوں میں علوم وفنون کے چرچے تھے، مصر، یونان، چین، روم، ہندوستان اور ایران میں تعلیمی ادارے قائم تھے، مگر سب جگہ ایک بات بہ طور قدر مشترک نظر آتی ہے کہ تعلیم وتعلّم کی تمام سرگرمیاں ایک مخصوص گروہ یا طبقہ تک محدود تھیں، عوام تک علم کی رسائی نہیں تھی۔ یونان میں ارسطو جیسا فلسفی اپنی بلندیٔ فکر کے باوجود عورتوں اور غلاموں کو علم کی مسند پر قدم رکھنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ ہندوستان میں مشہور ماہر قانون 'منو' نے شودروں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، بلکہ اگر کوئی شودر مقدس کتاب 'وید' کے الفاظ سننے کی کوشش کرے تو اس کے لیے اس نے یہ سزا تجویز کی تھی کہ اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔ یہ تو دورِ قدیم کی بات تھی، بعض ممالک میں تو انیسویں صدی عیسوی تک صورتِ حال بہتر نہ ہوسکی تھی۔ امریکہ کی ریاست جنوبی کیرولینا نے ۱۸۳۴ء میں یہ قانون پاس کیا کہ ''اگر کوئی شخص غلاموں (حبشیوں) کو تعلیم دیتے ہوئے یا اس میں تعاون کرتے ہوئے پکڑا گیا تو اگر وہ شخص سفید فام ہے تو اس کو ایک ڈالر جرمانہ اور چھ ماہ قید کی سزا دی جائے گی اور اگر وہ کالا ہے تو اس کو پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی''۔ الغرض ہر جگہ ایک طبقہ نے علم پر اجارہ داری قائم کر رکھی تھی اور وہ عوام کو اس میں شریک کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔[۱]

عہدِ نبوی

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے علم کے بارے میں یہ تصور رائج کیا کہ دنیا کی تمام مخلوقات میں انسان کو صرف اس لیے برتری حاصل ہے کہ اسے علم سے نوازا گیا ہے۔ اسی لیے کسی قوم میں کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا تعلیم کے سوا کسی اور غرض کے لیے نہیں ہوتا۔[۲] نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

انما بعثت معلما.[۳] میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ارشادِ خداوندی 'اقرأ' نے علم وحکمت کے دروازوں کو کھول دیا اور نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا منصب اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانا اور انہیں کھول کھول کر آسان لفظوں میں بیان کرنا قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ۔(النحل:۴۴) اور ہم نے آپ کے اوپر ذکر اتارا، تاکہ آپ لوگوں کو وہ تعلیمات کھول کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں۔

وحی الٰہی کے آغاز سے تعلیم وتعلّم کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اولین اسلام لانے والوں (السابقون الاوّلون) میں سے ایک صحابی حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ تھے۔ ان کا مکان کوہِ صفا کی بلندی پر واقع تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو اسلام کا پہلا مرکز بنایا اور یہیں تعلیم گاہ قائم ہوئی۔[۴] دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے یہاں جمع ہوتے اور آپؐ انہیں قرآن مجید کے نازل شدہ حصوں کی تعلیم دیتے۔ آپؐ تین سال یعنی ۶ نبوی کے آخر تک یہاں اشاعت اسلام اور نومسلموں کی تربیت کا کام انجام دیتے رہے۔[۵] آپؐ کے حکم سے تعلیم یافتہ صحابہ دارارقم کے باہر بھی لوگوں کے گھروں میں جا کر ان کو تعلیم دیا کرتے تھے۔[۶]

بیعت عقبہ ثانیہ، جو ہجرتِ مدینہ سے دو سال پہلے منعقد ہوئی تھی، اس کے بعد آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ کو مدینہ منورہ روانہ کیا،

تا کہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور نماز پڑھنا سکھائیں۔۸؎ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو بھی مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔۸؎ حضرت سعید بن العاصؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، بلکہ خوش خط تھے۔۹؎ انھوں نے وہاں جا کر لوگوں کو تحریر و کتابت بھی سکھانا شروع کر دی۔ یہ مدینہ منورہ میں قائم ہونے والا پہلا مدرسہ تھا۔۱۰؎

ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی گئی تو تمام داخلی اور خارجی خطرات اور ہنگاموں کے باوجود نبی کریم ﷺ نے تعلیم کی طرف اولین توجہ مبذول فرمائی اور پہلے باقاعدہ تعلیمی ادارے کا قیام مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر سے ہوا۔ آپؐ نے مسجد کے کنارے ایک جگہ مخصوص کر لی، جسے اس کے سائبان کی وجہ سے 'صفہ' کہتے تھے۔ یہ ایک کھلی اقامتی (Residential) درس گاہ تھی، جس میں ہر چھوٹا بڑا شخص تعلیم و تربیت حاصل کرتا تھا، چاہے وہ اس میں اقامت گزیں ہو یا نہ ہو۔ مسلمانوں کی ایک جماعت، جس نے اپنی کل زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی تھی، تعلیم و تربیت کے حصول کے لیے اس میں اقامت گزیں ہوگئی۔ انہیں 'اصحاب صفہ' کہتے تھے۔ اس اعتبار سے اگر مسجد نبوی کی اس درس گاہ کو عصر حاضر کی اقامتی اور کھلی درس گاہوں کا پیش خیمہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔۱۱؎

اس تاریخی درس گاہ میں ہر طبقہ کے افراد شریک ہوتے تھے، انصار، مہاجرین، مقامی، بیرونی، اعیان و اشراف، رؤسائے قبائل، عالم، جاہل، بدوی، شہری، بوڑھے، جوان، سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سب کے ذہن و مزاج، افتادِ طبع اور زبان ولب ولہجہ کی رعایت فرماتے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ درس گاہ نبوی کے ان طلباء میں 'اصحاب صفہ' کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ وہ دن رات حاضر باش رہتے تھے، تعلیم و تعلم، ذکر و اذکار، تلاوت قرآن مجید اور باہمی مذاکرہ و مراجعہ کے علاوہ ان کی کوئی اور مصروفیت نہیں ہوتی تھی۔۱۲؎

صفہ میں نہ صرف مقیم طلبہ کی تعلیم کا انتظام تھا، بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ

آتے تھے، جن کے مدینے میں گھر تھے اور وہ صرف درس کے لیے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عارضی طور سے درس میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مختلف حالات کے تحت اور مختلف اوقات میں اہل صفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ مستقل رہائش رکھنے والوں کی تعداد عام طور پر ستر کے قریب رہتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ یہ تعداد بہت زیادہ بڑھ جایا کرتی تھی، یہاں تک کہ اکیلے حضرت سعدؓ بن عبادہ بعض اوقات اسّی اسّی لوگوں کی دعوت کرتے تھے، جبکہ باقی اصحاب صفہ دیگر صحابہ کرامؓ کے مہمان ہوتے تھے۔[۱۳]

نبی کریم ﷺ کی صحبت اور معیت بھی ایک دائمی درس گاہ تھی، جس سے صحابہ فیض یاب ہوتے تھے۔ آپؐ نمازِ فجر کے بعد مسجد میں ٹھہرے رہتے اور صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیتے۔ مصلیٰ سے اٹھ کر آپؐ اس مقام پر آکر بیٹھ جاتے تھے جہاں آج کل اسطوانۂ (ستون) توبہ واقع ہے۔ صحابہ کرامؓ آپؐ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ اگر افراد زیادہ ہوتے تو پہلے حلقہ کے گرد دوسرا حلقہ بنا لیتے۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک منفرد درس گاہ تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں: ''نماز فجر کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھ جاتے تھے۔ ہم میں سے کوئی شخص قرآن کے متعلق سوال کرتا تھا، کوئی فرائض (وراثت) کے مسائل معلوم کرتا تھا، کوئی خواب کی تعبیر دریافت کرتا تھا۔[۱۴]

اکثر صحابہ کرامؓ اس صباحی مجلس میں حاضر رہتے تھے۔ کاروبار کی مجبوریوں کے باعث جو لوگ خود حاضر نہیں ہوسکتے تھے، وہ حاضر و موجود صحابہؓ سے وہاں کی گفتگو سنتے اور باخبر ہوجاتے تھے۔ بعض صحابہ نے باری مقرر کرلی تھی، ایک دن ایک جاتا تھا اور دوسرے دن دوسرا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''میں اور میرا ایک پڑوسی بنی امیہ بن زید کے قبیلہ اور ان کے مواضع میں رہتے تھے۔ ہم باری باری رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضری دیتے تھے۔ ایک دن وہ جاتا تھا اور ایک دن میں جاتا تھا۔ جب میں مجلس میں حاضری دیتا تو اس دن کی وحی اور تمام دوسری باتوں کی اطلاع اسے دیتا اور جب وہ حاضر ہوتا تو وہ تمام معلومات مجھے بہم پہنچاتا تھا۔[۱۵]

مسلمانوں کی یہ پہلی درس گاہ ایک با قاعدہ تعلیمی ادارے کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس میں عام لوگوں کو قرآن اور اس کی تعلیمات کے ساتھ فقہ، فن تجوید اور لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مختلف مضامین کی تدریس کے لیے مختلف ماہر افراد کو بہ حیثیت استاد مقرر کیا گیا تھا اور ان سب کی سرپرستی اور نگرانی حضور ﷺ خود فرمایا کرتے تھے۔ جب کبھی ضروری ہوتا اساتذہ اور طلبہ آپؐ سے رجوع کرتے تھے۔ 'صفہ' دن میں ایک مدرسہ بن جاتا تھا اور رات کو دارالاقامہ اور بورڈنگ۔ یہاں اعلیٰ تعلیم تو خود نبی کریم ﷺ دیا کرتے تھے، لیکن ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانے کا کام رضا کار نوجوان صحابہ کے سپرد تھا۔ ۱۶

نبی کریم ﷺ نے فروغ علم کے لیے جو اقدامات فرمائے ان میں ایک اہم واقعہ ان قیدیوں کا ہے جو کفر و اسلام کے پہلے معرکہ یعنی جنگ بدر میں مسلمانوں کی قید میں آئے۔ ستر مکے والے اس جنگ میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے آپؐ نے ان لوگوں میں سے جو مال دار نہ تھے، ان کی رہائی کے لیے یہ فدیہ مقرر کیا کہ وہ مدینے کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔ ۱۷ اس واقعہ سے آپؐ کی تعلیم و تعلّم سے گہری دل چسپی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپؐ نے تعلیم کا مادی سطح سے بلند تصور پیش کیا۔ آپؐ نے اہل ایمان کے دلوں میں یہ بات جاگزیں کردی کہ تدریس اور تعلیم کا کام عبادت کی طرح محترم اور مقدس ہے۔ یہ کارِ خیر ہے، جس کا اجر آخرت میں ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا:

''بہتر صدقہ (نیکی کا کام) یہ ہے کہ ایک مسلمان علم حاصل کرے اور پھر اپنے مسلمان بھائی کو اس کی تعلیم دے''۔ ۱۸

نبی کریم ﷺ نے نہ صرف علم حاصل کرنے کی تلقین کی، بلکہ اس کی اشاعت کو بھی لازمی قرار دیا۔ حصول علم کے ساتھ اشاعت علم کا فریضہ وابستہ کردینے سے مسلمانوں میں ایک جانب تو اساتذہ کی موجودگی اور ان کے کام کی توثیق ہوتی ہے، دوسری جانب ایک ایسا تعلیمی نظام بھی وضع ہوجاتا ہے جس میں ہر فرد کو تعلیم حاصل کرنے

کے مواقع مل جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اس بات کی بھی ترغیب دلائی کہ وہ مختلف زبانیں سیکھیں۔ آپؐ نے کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت انصاریؓ سے فرمایا: ''میرے پاس بادشاہوں کے خطوط آتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی غیر اس کو پڑھے۔ کیا تم عبرانی یا سریانی زبانیں سیکھ سکتے ہو؟'' انہوں نے کہا۔ ہاں، اور پھر انہوں نے ۱۷ دن میں یہ زبان سیکھ لی۔ حضرت زید نے کسریٰ کے ایلچی سے فارسی زبان، نبی کریم ﷺ کے ایک خادم سے رومی زبان، آپؐ کے ایک دوسرے خادم سے حبشی زبان سیکھی اور آپؐ کی ایک خادمہ سے قبطی زبان سیکھی۔[۱۹] کئی صحابہ کرامؓ ایسے تھے جنہیں اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ انہی میں سے ایک حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے، جو کئی زبانوں کے ماہر تھے۔[۲۰]

خالص دینی علوم کے علاوہ آپؐ نے اپنے زمانے کے رائج الوقت مفید علوم سیکھنے کی نہ صرف ترغیب دی، بلکہ خود بھی اس کا اہتمام فرمایا۔ چنانچہ آپؐ کا حکم تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، حساب، علم میراث، طب، ہیئت وفلکیات، علم انساب اور علم تجوید کی تعلیم ضرور دی جائے۔[۲۱]

مدینہ منورہ میں صفہ واحد درس گاہ نہ تھی، بلکہ وہاں کم از کم نو مسجدیں عہدِ نبوی میں موجود تھیں۔ ہر مسجد محلے والوں کے لیے درس گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔ خصوصاً بچے وہاں پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ اکثر مسجد قبا تشریف لے جاتے اور وہاں کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے۔[۲۲]

ہجرتِ مدینہ کے بعد سے ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط وکتابت، ہر فوجی مہم میں جانے والے رضا کاروں کے ناموں کی فہرستیں، مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر، اوطاس، وغیرہ میں خبر رساں جو عموماً تحریری طور سے آں حضرتؐ کو اپنے مقام کے حالات سے اطلاع دیا کرتے تھے، نیز مردم شماری اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں اس بات میں ممد ومعاون ہوئیں کہ خواندگی روز بروز بڑھتی جائے۔[۲۳]

جو قبائل یا اشخاص آپؐ کے پاس وفود کی صورت آتے تھے، آپؐ انہیں انصار کے درمیان تقسیم کر دیا کرتے تھے، تاکہ وہ ایک تو ان کی مہمان نوازی کریں، دوسرے ان کی تعلیم و تربیت کریں۔ آپؐ نے وفد عبدالقیس سے دریافت فرمایا: ''تم نے اپنے بھائیوں کی عزت و تکریم اور مہمان نوازی کو کیسے پایا؟ انہوں نے کہا: ''ہم نے انھیں بہترین بھائی پایا۔ انہوں نے ہمارے لیے نرم بستر بچھائے، بہترین کھانا پیش کیا، وہ صبح و شام ہمیں اللہ کی کتاب اور ہمارے نبی ﷺ کی سنت کی تعلیم دیتے تھے۔'' ۲۴

اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منورہ سے دیگر مقامات پر تربیت یافتہ معلّم بھیجے اور کچھ صوبوں کے گورنروں کے فرائض منصبی میں یہ امر صراحت کے ساتھ شامل کر دیا کہ وہ اپنے ماتحت علاقوں کی تعلیمی ضرورتوں کا مناسب انتظام کریں۔ ۲۵ یمن کے گورنر حضرت عمرو بن حزمؓ کے نام جو طویل تقرر نامہ آپؐ نے لکھا تھا وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس میں آپؐ نے انھیں ہدایت دی تھی کہ لوگوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ ۲۶

نبی کریم ﷺ نے جس طرح بچوں اور بالغوں کی تعلیم پر زور دیا اسی طرح عورتوں کی بہتر تعلیم و تربیت کی بھی ترغیب دی۔ آپؐ نے فرمایا:

من كانت له ثلاث بنات او اخوات او ابنتان او اختان فاحسن صحبتن واتقى الله فيهن فله الجنه۔ ۲۷	جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور اس نے ان کی بہترین تعلیم و تربیت کی اور ان کے مستقبل کے بارے میں خدا سے ڈرتا رہا تو اس کے لیے جنت ہے۔

خود آپؐ نے عورتوں کی تعلیم کے لیے ہفتے میں ایک دن مقرر کیا تھا۔ اس دن آپؐ عورتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لے جاتے، انھیں دین کی باتیں بتاتے اور ان کے سوالات کے جوابات دیتے تھے۔ ۲۸

مملکتِ اسلامیہ، جو ابتداءً شہر مدینہ کے کچھ حصوں پر مشتمل تھی، وسعت اختیار

کرتی چلی گئی، اور نہ صرف خانہ بہ دوش بدوی، بلکہ شہروں میں مستقل طور سے سکونت اختیار کرنے والے عربوں نے بھی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ اس نئے دین کو قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم ہو، جو دس لاکھ مربع میل کے رقبہ کی ضرورتوں کو پورا کرسکے۔ عہدِ نبوی کے اختتام پر ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت اسلامی، باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے، دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی۔۲۹

عہدِ خلافتِ راشدہ

عہدِ نبوی ﷺ میں جس نظامِ تعلیم کی بنیاد ڈالی گئی وہ خلافت راشدہ میں اپنے پورے کمال کو پہنچا۔ وصال نبوی ﷺ کے بعد خلافت راشدہ میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو نئے نئے مفتوحہ علاقوں میں، جہاں دیگر کبار صحابہؓ نے اقامت اختیار کی، وہاں ان کی سکونت کے ساتھ علم کے مراکز بھی قائم ہوتے گئے۔ مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کے علاوہ کوفہ، دمشق، فسطاط وغیرہ علمی مرکز بن گئے۔۳۰

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مختصر زمانۂ خلافت زیادہ تر مرتدین کی شورشوں کے قلع قمع میں گزرا۔ زمامِ کار سنبھالتے ہی انھیں دو بڑے فتنوں سے سابقہ پیش آیا۔ ایک طرف جھوٹے مدّعیانِ نبوت کھڑے ہوگئے تو دوسری طرف کچھ مسلمان قبائل نے مرکزی حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان دونوں کی طرف توجہ دی۔ آپ کے دور میں نبی کریم ﷺ کا جاری کردہ نظام تعلیم و تدریس بہ حسن وخوبی جاری رہا۔ مساجد میں حلقہ ہائے درس جاری تھے۔ بزرگ صحابہ تعلیم و تدریس میں مشغول تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے حلقہ ہائے درس میں خواتین، خاص طور پر بچیاں، قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔۳۱

خلفائے راشدین میں خاص طور پر حضرت عمر فاروقؓ نے تعلیم و تدریس پر توجہ فرمائی۔ آپ نے شام، کوفہ، بصرہ اور دیگر شہروں میں علمائے صحابہ کو تعلیم کے لیے روانہ

کیا نیز بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے مکاتب جاری کیے۔(۶۱)۔آپؓ نے عبداللہ بن خزاعیؓ کو مامور کیا کہ وہ مسجد نبوی میں بچوں کو جمع کر کے انھیں تعلیم دیں۔آپ نے تعلیم کے لیے اوقات مقرر کیے کہ صبح فجر کی نماز کے تھوڑی دیر بعد سے دن چڑھے تک اور ظہر کی نماز سے عصر تک تعلیم دیں، باقی وقت آرام کریں۔۳۲

نصابِ تعلیم میں بھی آپؓ نے اصلاح فرمائی۔ اگرچہ طلبہ مکمل قرآن مجید پڑھتے تھے، مگر بعض کم زور ذہن کے طلبہ تکمیل نہ کر پاتے تھے۔اس لیے آپ نے قرآن کا لازمی نصاب مقرر فرما دیا، جس کا یاد کرنا ہر طالبِ علم کے لیے ضروری تھا۔سورۂ بقرہ، سورۂ مائدہ، سورۂ نساء، سورۂ حج، اور سورۂ نور کا سیکھنا ہر شخص کے لیے لازمی تھا۔۳۳

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تمام مفتوحہ ممالک میں قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلّمین وقرّاء حضرات کی تنخواہیں مقرر کیں۔۳۴خانہ بدوشوں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر رائج کی۔ اس کام کے لیے آپؓ نے ایک شخص ابو سفیان کو چند افراد کے ساتھ مقرر کیا تھا۔۳۵

آپؓ نے عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیجے کہ بچوں کو شہ سواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔اس کے علاوہ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی، تاکہ لوگ صحتِ الفاظ اور صحتِ اعراب کے ساتھ قرآن مجید پڑھ سکیں۔ ۳۶ حضرت عمرؓ بن خطاب نے جو ہدایت نامہ مختلف علاقوں میں جاری کیا تھا اس کے الفاظ یہ تھے: ''اپنے بچوں کو تیراکی، شہ سواری، منقولات اور پاکیزہ شاعری کی تعلیم دو''۔۳۷

شام کی فتح کے بعد حضرت عبادہؓ بن صامت نے معلّمِ قرآن کی حیثیت سے حمص میں قیام فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے دمشق میں اقامت اختیار کی۔انھوں نے قرآن مجید کی تعلیم کے لیے مکاتب قائم کیے۔لوگ جوق در جوق علم کی تحصیل کے لیے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔۳۸

اس عہد میں کتاب وسنت کے علاوہ علم فقہ کی بھی اشاعت ہوئی۔مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن قاسمؒ شام میں، حضرت عبداللہ بن معقلؒ اور حضرت عمران بن حسینؓ بصرہ

میں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مدائن میں اور حضرت حبان بن جبلہؓ مصر میں فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ۳۹؎ حضرت علیؓ اور فقہائے صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے دیگر صحابہ کی موجودگی سے کوفہ، مدینہ منورہ کے بعد نہایت اہم علمی مرکز بن گیا۔ ۴۰؎

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں پورے عالم اسلام میں مکاتب کی کثرت، قرآن کی کتابت و اشاعت اور اس کے پڑھنے پڑھانے کی سرگرمی کا اندازہ ابن حزمؒ کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو فارس، شام، جزیرہ اور مصر کے تمام شہر فتح کر لیے گئے، ان ملکوں کے ہر شہر اور ہر بستی میں مسجدیں تعمیر کی گئیں، مصاحف لکھے گئے، مشرق سے مغرب تک ائمہ مساجد نے قرآن پڑھا، اور مکاتب کے بچوں کو پڑھایا۔ دس سال سے زائد مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۴۱؎

حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہدِ خلافت کا سب سے اہم کارنامہ قرآن مجید کے رسم الخط کی تعیین ہے۔ اس کام کے لیے ۲۵ھ میں انھوں نے تدوینِ قرآن کے لیے ایک کمیٹی بنائی، جس کے سربراہ حضرت زید بن ثابتؓ اور ارکان حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ تھے۔ حضرت زیدؓ نے قریش کے لہجے میں اس کو مدوّن کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے پانچ نسخے تیار کرائے۔ ایک نسخہ اپنے پاس رکھا اور ایک ایک نسخہ بصرہ، کوفہ، دمشق اور فسطاط بھیجا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے قرآن مجید اس سرکاری نسخہ کے رسم الخط کے مطابق بنالیں۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے قرآن مجید کا مستند رسم الخط عام کرنا نہایت ضروری تھا۔ قرآن مجید کی اشاعت عام کر کے حضرت عثمانؓ نے فروغ تعلیم کی تحریک کو بہت تقویت پہنچائی۔ ۴۲؎ انھوں نے اپنے بارہ سالہ دورِ خلافت میں مکاتب میں قرآن مجید کی تعلیم اور ان کے معلّموں پر خاص توجہ کی اور حضرت عمرؓ کی طرح مؤذنوں، اماموں اور معلّموں کے وظائف مقرر کیے۔ ۴۳؎

حضرت علیؓ بن ابی طالب کے زمانے میں سابقہ پرامن ماحول قائم نہیں رہا تھا،

باہمی خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی، مگر تعلیمی تحریک بدستور سرگرمی سے جاری رہی۔ نومسلم عجمیوں کی تعلیم کے دوران محسوس ہوا کہ عربی زبان کا سیکھنا ان کے لیے دشوار ہے، کچھ قواعد زبان معلوم ہونے چاہئیں، اس طرح علم نحو کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔ سب سے پہلے ابوالاسود الدؤلی نے حضرت علیؓ سے نحو کے اساسی نکات سیکھے۔[۴۴] اس نقطۂ آغاز سے بعد میں علم نحو مرتب ہوا، جس کے جاننے کے بعد غیر عربوں کے لیے عربی زبان سیکھنا اور قرآن مجید کا پڑھنا آسان ہوگیا۔ اس دور کی تعلیمی خصوصیات حسبِ ذیل تھیں:

۱۔ نصابِ تعلیم بنیادی طور پر قرآن مجید، حدیث اور فقہ پر مشتمل تھا۔

۲۔ تعلیم کتابی نہ تھی، یعنی قرآن مجید کے سوا حدیث اور فقہ بالکل زبانی پڑھائے جاتے تھے۔

۳۔ تحصیل علم کے لیے دنیوی غرض کا شامل کرنا جائز نہ تھا۔

۴۔ تعلیم کے لیے سفر کرنا ضروری تھا۔ ایک ایک حدیث کی سماعت کے لیے لوگ خراسان سے لے کر دمشق اور حجاز تک کا سفر پاپیادہ کرتے تھے۔

۵۔ مسجدیں اور علماء کے مکانات تعلیم گاہوں کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔[۴۵]

عہد بنوامیہ

عہدِ بنوامیہ میں ابتدائی تعلیم کا نظام پوری طرح مستحکم ہو چکا تھا۔ ابتدائی تعلیم کے لیے ہر جگہ مکاتب قائم ہوگئے تھے۔ مسجد کے ایک ستون کا سہارا لے کر استاد ایک گدی پر بیٹھ جاتا اور طلبہ اس کے سامنے حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ طلبہ اگر زیادہ ہوتے تو ایک سے زائد حلقے بنائے جاتے تھے۔ صبح چاشت سے لے کر اول وقت تک درس جاری رہتا تھا۔ درس شروع ہونے سے پہلے دعا مانگی جاتی، پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر درس کا آغاز ہوتا۔ طلبہ استاد کو سلام کر کے اپنی اپنی جگہ بیٹھتے جاتے اور باری باری استاد کے سامنے آتے۔ دوزانو ہو کر ادب سے بیٹھتے اور نیا سبق لیتے۔[۴۶] ان مکاتب میں نوشت و خواند اور قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعض مکاتب میں علم لغت اور نحو کی تدریس بھی

شامل تھی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک کی بڑی بڑی مساجد مدارس اور جامعات کا کام دیتی تھیں۔ مکہ معظّمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، جس میں قرآن، حدیث، فقہ، فرائض اور عربی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مدینہ منورہ میں ربیعۃ الرأی کا حلقۂ درس مشہور تھا۔ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ اسی حلقے کے تعلیم یافتہ تھے۔ حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق تھا۔ کوفہ میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ اور امام شعبیؒ کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ بصرہ میں حضرت امام حسن بصریؒ کا حلقۂ درس امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ ۴۷ حضرت سعید بن المسیبؒ حدیث وتفسیر کے علاوہ اپنے حلقۂ درس میں، جو مسجد نبوی میں تھا، اشعار پر بھی بحث کرتے تھے۔ ۴۸

اموی خلفاء شہزادوں کو عربیت کی صحیح تعلیم کے لیے بادیۃ الشام بھیجا کرتے تھے۔ شہروں اور قصبوں کے لوگ عام طور پر کسی بدّو کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور اس سے درس لیتے تھے، لیکن دولت مند لوگ، شہزادے اور زبان وادب کے پرستار البادیہ میں جا کر رہتے تھے، جو اس وقت ایک قسم کی علمی درس گاہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ ۴۹ ان لوگوں کی یہ خواہش رہتی تھی کہ وہ بگڑی ہوئی زبان کے ماحول سے الگ رہیں اور چند سال عربی زبان کے گہوارے میں رہ کر بسر کریں۔ ابتدائی عہد کے اموی شہزادوں کے لیے بادیہ ایک ایسی درس گاہ تھی جہاں وہ اپنے بچوں کو خالص عربی زبان سیکھنے اور شاعری میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے بھیجتے تھے۔ ۵۰ اس صحرائی علاقے کے تمام باشندے نہ صرف صحیح زبان استعمال کرتے تھے، بلکہ چند ممتاز افراد ایک جگہ بیٹھ جاتے اور حاضرین کے سامنے بلند پایہ نظمیں پڑھتے اور انھیں عربوں کی قدیم تاریخ سناتے۔ اس کے علاوہ شہزادوں کی تعلیم کے لیے ممتاز اساتذہ مقرر کیے جاتے تھے، جو 'مؤدِّب' کہلاتے تھے۔ ۵۱

ولید بن عبدالملک کے زمانے میں تعلیم کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ طلباء اور حفاظ کو وظیفے دیے گئے۔ دیہاتیوں کی تعلیم کے لیے گشتی معلم مقرر کیے گئے۔ مکتبوں کی

مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مشہور معلم ابوالقاسم بلخی (م ۱۰۵ھ) کوفہ کے ایک مکتب میں بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کے مکتب میں تین ہزار طالب علم پڑھتے تھے۔ وہ گدھے پر سوار ہوکر ان کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ مکاتب مساجد سے الگ ہوتے تھے۔ ہر گاؤں اور ہر بستی میں ایک مکتب قائم ہو چکا تھا۔۵۲

عہدِ بنی امیہ کا سب سے بڑا کارنامہ عربی رسم الخط کی اصلاح اور اعراب کی اختراع ہے۔ اس دور میں نہ حروف پر نقطے ہوتے تھے اور نہ اعراب۔ اس وجہ سے بچوں خصوصاً غیر عرب بچوں کو قرآن مجید پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی۔ سب سے پہلے ابوالاسود دؤلی نے اس مشکل کی جانب توجہ کی اور اصلاحِ خط کا کام شروع کیا اور اس کی تکمیل مشہور نحوی اور لغوی خلیل بن احمد فراہیدی (۱۰۰۔۱۷۰ھ) کے ہاتھوں عمل میں آئی۔۵۳

اشاعتِ علم کے سلسلے میں عہدِ بنوامیہ میں سب سے زیادہ کوشش حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کی۔ وہ خود بھی بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ انھوں نے اسلامی ریاست کے مختلف صوبوں کے گورنروں کو لکھا کہ اشاعتِ علم کی جانب پوری توجہ دیں۔ قاضی ابوبکر بن حزمؒ گورنر مدینہ کو لکھا:

> ''علم کو پھیلاؤ، اس کے لیے مجالس قائم کرو، تاکہ جو لوگ علم سے بے بہرہ ہیں وہ صاحبِ علم بن جائیں۔ علم اس وقت فنا ہوجاتا ہے جب وہ راز کی شکل اختیار کرلے''۔

جعفر بن زبرقان کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہمیں فرمان بھیجا: ''اپنے یہاں کے فقہاء اور علماء کو حکم دو کہ وہ اپنی مجالس اور مساجد میں علم کی اشاعت کریں''۔۵۴

استادوں کی تنگی کی طرف آپؒ کی خاص نگاہ تھی۔ حمص کے گورنر کو لکھا:

> ''ان لوگوں پر نظر رکھو جنھوں نے خود کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کردیا ہے، جو مساجد میں مقیم ہوگئے ہیں، جنھوں نے دنیا کی طلب کو ترک

کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے سو سو دینار وظیفہ مقرر کر دو،
تا کہ ان کی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔ جیسے ہی تم کو میرا یہ خط ملے فوراً
بیت المال سے ان لوگوں کو رقم ادا کرو''۔۵۵

یحییٰ ابن ابی کثیر کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عمال حکومت کو فرمان بھیجا:

ان اجروا علیٰ طلبة العلم و فرغوهم للطلب۔۵۶	طالب علموں کے وظائف مقرر کر دو، تا کہ وہ فارغ البال ہو کر تحصیل علم میں مشغول ہوں۔

عہدِ بنوامیہ میں تدوین احادیث کے علاوہ 'علم مغازی' بھی مدوّن ہوا۔ اس فن کی طرف سب سے پہلے امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے توجہ دی۔ حضرت عاصم بن قتادہ انصاریؒ دمشق کی جامع مسجد میں علم مغازی کی تعلیم دینے پر مامور تھے۔۵۷

ان مساعی جمیلہ کے نتیجے میں بنی امیہ کے آخری دور میں بعض مدرسے بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ کوفہ کی جامع مسجد میں امام اعظم ابوحنیفہؒ درس دیا کرتے تھے۔ دور دراز ملکوں اور خطوں سے طلبہ ان کی درس گاہ میں پہنچتے تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کی درس گاہ میں طلباء اقصائے عالم سے حاضر ہوا کرتے تھے۔۵۸

اموی دور کے نظامِ تعلیم میں حسب ذیل تعلیمی خصوصیتوں کا اضافہ ہوا:

۱۔ علوم وفنون کی ترویج کے لیے تالیف وتصنیف اور ترجمہ کا سلسلہ قائم ہوا۔

۲۔ اساتذہ اور طلبہ کے وظائف مقرر کیے گئے۔

۳۔ مساجد میں تعلیم کے لیے درس کے مستقل حلقے قائم ہوئے۔

۴۔ بعض اسلامی ملکوں میں اہل علم کو اپنے تعلیمی فرائض کی ادائیگی کے لیے جہاد کی خدمت سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

۵۔ زبانی تعلیم کے علاوہ املا کا طریقہ جاری ہوا، یعنی استاد جو کچھ درس دیتا، شاگرد اسے لکھ لیتے تھے۔

۶۔ کتابوں کی قراءت کی سند واجازت کا رواج ہوا۔۵۹

عہدِ بنوعباس

عہد بنوعباس میں تعلیم مسجدوں کے صحنوں، خانقاہوں، علماء کے مکانوں اور امراء کی حویلیوں میں جاری رہی۔ مدینہ منورہ کے علاوہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط مشہور علمی مراکز تھے۔ اس عہد کی دو درس گاہیں خاص طور پر ممتاز تھیں۔ ایک کوفہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کی درس گاہ اور دوسری مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کی درس گاہ۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حلقۂ تعلیم میں ہرات (افغانستان) سے لے کر دمشق اور حمص (شام) تک کے طلبہ شریک ہوتے تھے۔ امام مالکؒ کے درس میں شرکت کے لیے ایک طرف بخارا اور سمرقند تک تو دوسری طرف تونس، قیروان، قرطبہ اور سرقسطہ تک کے طلبہ آیا کرتے تھے۔[۶۰]

عباسی خلیفہ منصور کے عہد سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا۔ اس دور میں صرف شرعی و لسانی علوم ہی کے ساتھ اعتناء نہیں کیا گیا، بلکہ حکومت کی سرپرستی میں بیرونی علوم کو بھی عربی میں منتقل کیا گیا اور سریانی اور فارسی زبانوں سے عربی زبان میں کتابیں ترجمہ کی گئیں۔[۶۱]

وزراء اور خلفاء اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام اپنے مکانات اور محلات میں کرتے تھے اور اس کے لیے سرکردہ علماء کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ یہ علماء بڑی تنخواہیں پاتے تھے۔[۶۲]

اتالیق کا منصب انتہائی قابل فخر اور معزز سمجھا جاتا تھا۔ تاہم درویش صفت لوگوں نے کبھی اس کی تمنا نہیں کی۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے جب عبداللہ بن ادریس سے درخواست کی کہ وہ مامون کو اپنے پاس بلائیں اور اسے احکام و عقائد کا درس دیا کریں تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر مامون عام طلبہ کے ساتھ درس میں شریک ہو تو تعلیم حاصل کرسکتا ہے۔[۶۳]

مامون اور بعد کے خلفاء کے دور میں بغداد ساری دنیائے اسلام کے طلبہ کا کعبۂ مقصد اور علماء اور فضلاء کا قبلۂ حاجت تھا۔ ان مرکزی شہروں کے علاوہ خلافتِ

عباسیہ کے بعض دور دراز مشرقی مقامات میں بھی درس و تدریس کا چرچا تھا۔ ابن حوقل (م ۳۶۷ھ) نے سجستان میں بہت سی مساجد دیکھی تھیں جن میں سے بعض میں ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم کا انتظام تھا۔ المقدسی نے چوتھی صدی ہجری میں فلسطین، شام، مصر اور ایران میں ایسی بے شمار مساجد دیکھی تھیں۔ سیراف، فیروز آباد، اصبہان، نیشاپور، ہمدان، سمرقند اور بخارا مشہور علمی مراکز تھے، جن سے بے شمار فقہاء، محدثین، صوفیاء اور ادباء پیدا ہوئے۔[۶۴]

قرون وسطیٰ میں اسلامی کتب خانے نہ صرف موجودہ دور کی لائبریریوں کے فرائض پورے کرتے تھے، بلکہ وہ تعلیم گاہوں کا کام بھی دیتے تھے۔ پہلی اسلامی اکیڈمی (بیت الحکمۃ) کتب خانے کے ساتھ قائم کی گئی تھی۔ یہ ادارہ آئندہ نسلوں کے لیے ایک نمونہ بن گیا اور سرکاری اور نجی طور پر اس قسم کے کتب خانے قائم ہوتے رہے، جہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔[۶۵] یاقوت کا بیان ہے:

> ''علی بن یحییٰ بن ابی منصور المنجم (م ۲۷۵ھ) کے عالی شان محل میں، جو بغداد سے قریب قفص نامی گاؤں کے نواح میں واقع تھا، ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جو خزانۃ الحکمہ کے نام سے مشہور تھا۔ حصولِ علم کی خاطر مختلف شہروں کے لوگ دور دراز سے سفر کر کے وہاں پہنچتے تھے۔ جو لوگ کتب خانے کی عمارت میں رہنا چاہتے ان کے لیے علی بن یحییٰ کی طرف سے قیام و طعام کا بھی مناسب انتظام تھا۔ ان میں سے ایک مشہور طالب علم ابو معشر المنجم تھے۔ خراسان سے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے جاتے ہوئے انھوں نے راستے میں یہ کتب خانہ دیکھا اور جب اس کے اندر پہنچے تو کتابوں کا اتنا زبردست ذخیرہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چنانچہ انھوں نے زیارت کا ارادہ ترک کر دیا اور علم نجوم سیکھنے کے لیے وہیں ٹھہر گئے۔ آخر کار انھوں نے اس فن میں کمال حاصل کیا''۔[۶۶]

ابوالقاسم جعفر بن محمد بن حمدان الموصلی (م۳۲۳ھ) نے موصل میں اسی نوعیت کا دارالعلم قائم کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک قیمتی کتب خانہ بھی تھا، جس میں تمام علوم کی کتابیں جمع تھیں۔ وہاں ہر شخص کو جانے کی اجازت تھی۔ غریب طلبہ کو امداد دی جاتی تھی۔ یہ کتب خانہ کھلا رہتا تھا۔ جعفر خود وہاں درس دینے کے لیے بیٹھتے اور اپنی تصانیف کے اقتباسات سنایا کرتے تھے۔ ۶۷

عباسی خلیفہ معتضد باللہ نے حکماء وفلاسفہ کے لیے بغداد کے علاقے شماسیہ میں بہت بڑی شان دار عمارت تعمیر کرائی اور اس میں نظریاتی اور عقلی علوم وفنون کے لیے کمرے تعمیر کرائے۔ ہر کمرے میں علوم عقلیہ ونظریہ کے نام ور اساتذہ کو رکھ کر ان کا سالانہ خطیر وظیفہ مقرر کیا، تاکہ جو شخص جس فن کے ماہر سے تعلیم حاصل کرنا چاہے، آسانی سے حاصل کر سکے۔ ۶۸

عہدِ عباسی میں درس وتدریس کے ساتھ تحقیق کا کام بھی جاری تھا۔ مامون نے الفراء سے جب ایک کتاب لکھوانے کا ارادہ کیا تو اس کے لیے محل میں آرام وآسائش کا تمام سامان مہیا کیا۔ سارا کتب خانہ اس کی تحویل میں دے دیا۔ کھانا کھلانے اور خدمت گزاری کے لیے ملازم رکھے اور چند منشی مقرر کیے جو ضروری چیزیں لکھنے میں اس کی مدد کر سکیں۔ اس مدت کے دوران الفراء نے 'کتاب المعانی' تصنیف کی، جسے ایک نہایت اہم کارنامہ قرار دیا گیا۔ ۶۹

بیت الحکمۃ میں ترجمے کا کام عروج پر تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ فارسی عالم ابوسہل الفضل بن نوبخت ہارون الرشید کے بیت الحکمۃ میں مترجم تھا۔ اس نے پہلی بار بہت سی فارسی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ مامون الرشید نے بہت بڑی تعداد میں غیر ملکی تصانیف جمع کر کے بیت الحکمۃ میں داخل کیں اور شرح وتالیفات کے ساتھ ان کے ترجموں کے لیے بہترین مترجموں کو مقرر کیا، جن میں حنین بن اسحاق اور حجاج بن مطر نمایاں ہیں۔ ۷۰

مصر میں جامع عمرو بن العاص صحابہ، تابعین وتبع تابعین کے زمانے سے علوم

دینیہ کا مرکز تھی۔ عہدِ طولونی میں مسجد احمد بن طولون معارف اسلامیہ کا ایک اہم مرکز تھی۔ ابن طولون کی مسجد میں تفسیر، احکامِ شریعت، قانون اور علمِ نجوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ۳۵۹ھ/ ۹۷۰ء میں فاطمی جرنیل جوہر الکاتب الصقلی نے جامع ازہر کی بنیاد رکھی۔ فاطمیوں نے اس کو مزید وسعت دی۔ اس درس گاہ میں شیعی علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی اور یہاں سے فاطمی دعاۃ دنیائے اسلام میں بھیجے جاتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب مصر فتح کیا تو جامع ازہر کو اہل السنۃ والجماعۃ کے علوم ومعارف کی تدریس کا مرکز بنادیا۔ ۳۹۵ھ میں فاطمی حکم راں الحاکم بامر اللہ نے قاہرہ میں دارالعلم یا دارالحکمۃ قائم کیا۔ اس کے لیے ایک عمارت تیار کی گئی اور اسے خوب آراستہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا۔ دارالعلم کی اصلی غرض وغایت شیعی علوم کی اشاعت تھی۔ اس کے مصارف کے لیے فسطاط کے بہت سے مکانات وقف تھے۔ ا؎

موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء کے بارے میں علامہ مقریزی کا بیان ہے:

ان المدارس مما حدث فی الاسلام لم تکن تعرف فی زمن الصحابة ولا التابعین، و انما حدث عملها بعد الاربع مائة من سنی الهجرة، و اول من حفظ عنه انه بنی فی الاسلام أهل نیسابور، فبنیت المدرسة البیهقیة. ۲؎	مدارس اسلام بعد میں بنائے گئے ہیں، صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں ان کا پتا نہیں چلتا ہے، ان کی تعمیر چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوئی ہے اور اہل نیشاپور نے سب سے پہلے مدرسہ بنایا اور مدرسہ بیہقیہ کی تعمیر کی گئی۔

۴۱۰ھ میں سلطان محمود غزنوی نے متھرا کی فتح سے واپس جا کر ایک عالی شان مدرسہ بنوایا، جس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا، جس میں مختلف کتب خانوں کی عمدہ کتابوں کی نقلیں کرا کے نہایت اہتمام سے جمع کی گئی تھیں۔ مدرسے کے مصارف کے لیے بہت سے دیہات اور مواضع وقف کیے گئے تھے۔ سلطان کے بھائی امیر نصر سبکتگین نے اپنی امارت نیشاپور کے زمانے میں بھی ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ ۳؎

نظام الملک طوسی نے پانچویں صدی ہجری کے نصف میں مدارس نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ان مدارس نے عالم گیر شہرت حاصل کی۔ ان میں اساتذہ ، اخراجات اور کتب خانے کا انتظام، قیام کے وقت ہی کر دیا جاتا تھا۔چھٹی صدی ہجری تک اسلامی دنیا کا کوئی کونہ (بہ جز اسپین کے) علمی عمارتوں سے خالی نہ رہا۔خراسان کے بڑے بڑے صوبے مثلاً نیشاپور، ہرات، بلخ اور ایران کے علاقے گو پہلے سے علم وفضل کے مرکز تھے،مگر نظامیہ کے اثر نے اور بھی مالا مال کر دیا۔۴؎

المقریزی کا بیان ہے کہ مسجد عمر میں بہت سے حلقے تھے۔ایک حلقے میں امام شافعیؒ درس دیا کرتے تھے اور وہ حلقہ انہی کے نام سے منسوب تھا۔اسی مسجد کے دوسرے حلقے مثلاً المجدّ یہ، الصاحبیہ، الکاملیہ اور المعینیہ بانیوں کے نام سے مشہور تھے۔۵؎ابن جبیر نے دمشق کی جامع مسجد کے حلقوں کے متعلق بھی اسی قسم کی تفصیلات بتائی ہیں۔ علاوہ ازیں ابن جبیر نے لکھا ہے کہ اسی مسجد میں بچوں کو پڑھانے کے لیے ایک ابتدائی مدرسہ بھی قائم تھا۔۶؎

مسجدوں میں عربی لسانیات کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔مثلاً ابوعمر زاہدالمنصور کی مسجد میں علم نحو کا درس دیتے تھے اور نفطویہ مسجد انبار ئین میں یہی مضمون پڑھاتے تھے۔۷؎غرناطہ میں علم صرف ونحو کے ایک فاضل ایک مسجد میں بیٹھا کرتے تھے اور ان کے گرد طلبہ کا مجمع لگا رہتا تھا۔۸؎کوفہ کی مسجد میں عموماً ادبی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ان کا اہتمام الکمیت بن زید اور حما دالراویہ کیا کرتے تھے اور یہی دونوں شعراء ادبی مسائل پر بحث ومباحثہ بھی کیا کرتے تھے۔۹؎مسلم بن ولید نے بصرہ کی مسجد میں ایک حلقہ قائم کر رکھا تھا جہاں وہ اپنی نظمیں سنایا کرتے تھے۔۱۰؎

مختصر یہ کہ مسلمانوں کی درس وتدریس کا مختلف جگہوں اور اداروں میں تعلیم کا انداز مختلف رہا ہے۔ابتدائی تعلیم مکاتب میں دی جاتی تھی۔اعلیٰ تعلیم کتابوں کی دکانوں، علماء کے گھروں اور ادبی مجلسوں میں رائج تھی۔مسجدوں میں ثانوی اور اعلیٰ دونوں طرح کی تعلیم دی جاتی تھی۔عموماً ایک ہی مسجد میں مختلف معیار کے کئی حلقے قائم ہوتے تھے اور

طالب علم اپنی لیاقت کے مطابق کسی بھی حلقے میں شریک ہوسکتا تھا۔ عصرِ حاضر میں دنیا کے بیش تر ملکوں میں رائج تعلیم کے مختلف مدارج یعنی ابتدائی (Primary)، ثانوی (Secondary)، اعلیٰ ثانوی (Higher Secondary)، اعلیٰ تعلیم (Higher Education) اور تحقیق (Research)، یہ سب اسلامی عہد حکومت میں عباسی دور تک عملاً وجود میں آچکے تھے۔

حواشی ومراجع

۱۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم (عہدِ بنی امیہ تک)، طبع اول، دسمبر ۱۹۸۳ء، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور، ص ۵۔۶

۲۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، مشمولہ ماہ نامہ 'معارف'، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۴۱ء، ص ۳۳۳

۳۔ ابن ماجہ، المقدمہ، باب فضل العلماء، ۲۲۹

۴۔ ابوالحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابة فی معرفة الصحابة، دار احیاء التراث العربی بیروت، ت ن، ج ۱، ص ۴۷

۵۔ محمد حفیظ اللہ پھلواروی، عہدِ نبوی ﷺ میں علمی ترقیاں، مشمولہ: نقوش (رسول نمبر)، جلد چہارم، ص ۱۴۱۔ بہ حوالہ: اخبار مکہ، ج ۲، ص ۲۱۰

۶۔ اسد الغابة فی معرفة الصحابة، ج ۱، ص ۸۰

۷۔ ابوعمر و یوسف بن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر النمری القرطبی، کتاب الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، الجزء اول، مطبعة دائرة المعارف النظامیة، حیدرآباد دکن، الطبعة الثانیة، ۱۳۳۶ھ، ص ۲۷۹

۸۔ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۲۴

۹۔ محمد عبدالحی الکتانی، نظام الحکومة النبویة، الجزء الاول، دارارقم، بیروت، ت ن، ص ۱۰۸

۱۰ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۹

۱۱ نصیر احمد ناصر، پیغمبر آخر و اعظم، فیروز سنز لاہور، ص ۴۱۶

۱۲ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر والقرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ادارۂ اسلامیات، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۴۷۔۴۸

۱۳ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دارالفکر، بیروت، ت ن، ج ۱، ص ۳۴۰-۳۴۱

۱۴ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۲۰

۱۵ بخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، ۸۹، مسلم، ۱۴۷۹

۱۶ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی، ص ۲۹۱

۱۷ احمد بن محمد بن حنبل، المسند، ج ۱، ص ۲۴۷

۱۸ ابن ماجہ، المقدمہ، باب ثواب معلّم الناس الخیر، ۲۴۳

۱۹ احمد بن محمد بن عبدربہ الاندلسی، العقد الفرید، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، طبع سوم، ۲۰۰۶ء، ج ۴، ص ۲۴۴

۲۰ شاہ معین الدین ندوی، مہاجرین، دارالمصنفین اعظم گڑھ، طبع دوم، ۱۹۵۲ء، ج ۲، ص ۶۱

۲۱ محمود احمد غازی، عہد اسلامی میں تعلیمی و علمی سرگرمیوں پر ایک نظر، مشمولہ: ماہ نامہ 'معارف' اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۰ء، ص ۱۲۴ بہ حوالہ: سیوطی، جمع الجوامع، ص ۲۲۲

۲۲ ابن عبدالبر، کتاب العلم، ص ۹۷

۲۳ ابن سعد، طبقات، ج ۲، ص ۱۳۰

۲۴ حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، ص ۳۳۹۔۳۴۰

۲۵ احمد، مسند، ج ۴، ص ۲۰۶

۲۶ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۱۰۵

۲۷ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات والاخوات

۲۸ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ہل یجعل للنساء یوم علی حدۃ فی العلم، ۳۵

۲۹ حمیداللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، ص ۳۴۴

۳۰ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۵۵

۳۱ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۳۱

۳۲ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۱۴

۳۳ ایضاً، ص ۳۳۹

۳۴ علاء الدین علی المتقی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد دکن، ت ن، ج ۱، ص ۲۲۴

۳۵ شبلی نعمانی، الفاروق، دارالاشاعت، کراچی، طبع اول، ۱۹۹۱ء، ص ۲۶۴

۳۶ ایضاً

۳۷ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۱، ص ۲۱۷

۳۸ ابن مسکویہ، تہذیب الاخلاق، مکتبہ الخانجی بالقاہرۃ، ۱۳۶۳ھ، ص ۲۰

۳۹ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۲

۴۰ ایضاً

۴۱ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۱۱۳

۴۲ عبدالکریم شہرستانی، الملل والنحل، دارالمعرفہ، بیروت، ت ن، ص ۸۰

۴۳ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۴۸

۴۴ ابن جوزی، سیرۃ العمرین، مکتبہ الخانجی بالقاہرۃ، ۱۳۳۶ھ، ص ۴۷

۴۵ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۲

۴۶ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۵۱

۴۷ احمد امین مصری، فجر الاسلام، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، قاہرۃ، الطبعۃ العاشرۃ، ۱۹۶۵ء، ص ۱۷۰ تا ۱۹۲

۴۸ طبری، ج ۲، ص ۱۲۶۶

۴۹۔۸۷ Encyclopedia of Education, III, New York,

1952, P.1112

۵۰ P.K. Hitti, History of Arabs, p.253

۵۱ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۲

۵۲ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۵۵

۵۳ R. A. Nicholson, A Literary History of the Arabs, Cambridge University Press, 1962, p.343

۵۴ ابوعمر یوسف ابن عبدالبر، جامع بیان العلم و فضلہ، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ت ن، ج ۱، ص ۱۲۴

۵۵ مولانا شبیر احمد خاں غوری، صدرِ اسلام میں دینی علوم کے ارتقا کا اجمالی جائزہ، مشمولہ: نقوش (رسول نمبر) جلد چہارم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۳ء، ادارہ فروغِ اردو، لاہور، ص ۶۸

۵۶ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم، ج ۱، ص ۱۲۴

۵۷ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۶۰

۵۸ ایضاً، ص ۶۱

۵۹ ریاست علی ندوی، اسلامی نظام تعلیم، طبع اعظم گڑھ، ۱۹۳۸ء، ص ۳۷ تا ۳۸

۶۰ سید سلیمان ندوی، مسلمانوں کی آئندہ تعلیم، مشمولہ ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ، ج ۴۲، ص ۱۹۳۸ء

۶۱ R. A. Nicholson, A Literary History of the Arabs, p.358

۶۲ دیکھیے: George Makdisi, The Rise of Colleges, Edinburgh University Press, 1981, p.219

۶۳ ابن جماعۃ الکنانی، تذکرۃ السامع و المتکلم، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد دکن ۱۳۵۳ھ، ص ۲۱۱

۶۴ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۳

۶۵ احمد شلبی، ڈاکٹر، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ص ۹۳

۶۶ شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت حموی، معجم الادباء، مصر، ۱۹۲۳ء، ج ۱۵، ص ۱۵۷

۶۷ ایضاً، ج ۷، ص ۱۹۳

۶۸ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۱۶

۶۹ احمد شلبی، ڈاکٹر، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ص ۱۷۶

۷۰ ابن ندیم، الفہرست، ص ۳۰۲، ۳۳۵

۷۱ احمد احمد بدوی، الحیاۃ العقلیۃ فی عصر الحروب الصلیبیۃ بمصر والشام، مکتبۃ نھضۃ مصر، ت ن، ص ۱۷

۷۲ تقی الدین احمد بن علی المقریزی، کتاب الخطط، مطبعۃ النیل، مصر، ۱۳۲۵ھ، ج ۴، ص ۴۹ تا ۵۶

۷۳ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۱۸

۷۴ تاج الدین ابی النصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، طبع اول، المطبعہ الحسینیۃ مصر، ت ن، ج ۳، ص ۵۲

۷۵ المقریزی، کتاب الخطط، ج ۴، ص ۲۰

۷۶ ابن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، دارصادر بیروت، ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء، ص ۲۳۹

۷۷ ابن ندیم، الفہرست، ص ۱۰۲، ۱۰۹

۷۸ احمد بن محمد المقری، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، دارصادر بیروت، ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء، ج ۲۔ ص ۱۳۷

۷۹ ابوالفرج الاصبہانی، کتاب الاغانی، مطبعۃ التقدم مصر، ت ن، ج ۱۵، ص ۱۱۳۔۱۱۴

۸۰ احمد شلبی، ڈاکٹر، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ص ۵۱

☆☆☆

بحث ونظر

اسلامی نظامِ وراثت میں عورت کا حصہ

محمد رضی الاسلام ندوی

اسلام کے قانونِ وراثت پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں عورت اور مرد کے درمیان مساوات نہیں برتی گئی ہے، عورت کا حصہ مرد سے کم رکھا گیا ہے۔ یہ اعتراض اسلامی قانونِ وراثت کی حکمت ومعنویت کو صحیح طریقے سے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مدیر مجلّہ مولانا سید جلال الدین عمری نے اپنی متعدد تحریروں میں اس موضوع سے بحث کی ہے۔ انھوں نے بہت پہلے ایک مقالہ 'اسلام کا قانون وراثت' کے عنوان سے تحریر کیا تھا، جو اُس وقت کے مشہور علمی مجلّہ ماہ نامہ برہان دہلی (فروری ۱۹۷۶ء) میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی وقیع تصانیف 'عورت- اسلامی معاشرہ میں' (اشاعت ۲۰۱۱ء، ص: ۱۰۵- ۱۰۸) اور 'مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ' (اشاعت ۲۰۰۴ء، ص ۱۸۵-۲۰۰) میں بھی اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر عالمانہ اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا رد کرتے ہوئے اسلامی قانونِ وراثت کی حکمت اور بعض صورتوں میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں کم ہونے کی معقولیت ثابت کی گئی ہے۔ پیش نظر مضمون میں بھی راقم نے بعض پہلوؤں کی مزید وضاحت کی کوشش کی ہے۔ (معاون مدیر)

معترضینِ اسلام کہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو مرد کے مقابلے میں کم تر حیثیت دی ہے، اسے بہت سے انسانی حقوق سے محروم رکھا ہے اور اسے مرد کا دست نگر اور محکوم بنایا ہے۔ اس کا ایک ثبوت وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ اسلامی نظامِ وراثت میں

عورت کا حصہ مرد کا نصف ہے۔ یہ بات اتنے زور شور سے کہی جاتی ہے کہ بعض مسلم دانش وروں کو اس میں معقولیت نظر آنے لگتی ہے اور وہ بڑے ہی معذرت خواہانہ انداز میں اس کی تاویل کرنے لگتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام نے وراثت میں عورت کا حصہ مرد کا نصف اس زمانے میں متعین کیا تھا جب اس کا کوئی حصہ ہی نہیں تھا اور اسے مستحقِ وراثت ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں عورت پر اسلام کا احسان تھا کہ اس نے میراث میں اس کا کچھ حصہ متعین کیا۔ لیکن آج جب کہ حقوق انسانی اور حقوق نسواں کی تحریکات کے نتیجے میں عورت کو زندگی کے ہر میدان میں مرد کے مساوی تسلیم کرلیا گیا ہے تو وراثت میں بھی دونوں کا حصہ برابر ہونا چاہیے۔

یہ دونوں قسم کے لوگ تقسیم میراث کے سلسلے میں اسلام کی صحیح تعلیمات سے واقف نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظامِ وراثت میں عورت کا حصہ مختلف حالتوں میں مرد سے زیادہ بھی ہے، اس کے برابر بھی اور اس سے کم بھی۔ جن چند حالتوں میں اسے مرد سے کم ملتا ہے ان کی مخصوص حکمتیں ہیں اور وہ عدل وانصاف پر مبنی ہیں۔

پیش نظر مقالہ میں اس موضوع کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا۔

عورت وراثت سے محروم تھی

دیگر مذاہب اور تہذیبوں میں عورت اپنے جائز حقِ وراثت سے محروم رہی ہے اور عموماً اسے نظر انداز کیا گیا ہے۔ مثلاً یہودیت اور ہندومت میں وراثت کا حق دار صرف بڑا لڑکا ہوتا تھا، بیوہ اور لڑکیاں اس کے رحم وکرم پر ہوتی تھیں۔ لڑکا نہ ہوتا تب لڑکیاں میراث پاتی تھیں۔ اولاد نرینہ کی موجودگی میں کسی بھی طرح کی وصیت کا حق نہیں تھا، البتہ اگر وارث لڑکیاں ہورہی ہوں تو جتنی چاہے وصیت کی جاسکتی تھی۔ رومی اور یونانی تہذیبوں میں ابتداء میں وراثت کو وصیت سے متعلق کیا گیا تھا، بعد میں قرابت کو اس کی بنیاد بنایا گیا تو قریب ترین وارث کی موجودگی میں دور کے رشتہ داروں کو محروم کردیا گیا اور اسی بنیاد پر میاں بیوی میں سے ہر ایک، دوسرے کی میراث سے محروم

کر دیا گیا۔ یونانی تہذیب میں بھی اولاد نرینہ کی موجودگی میں لڑکیاں میراث میں حصہ نہ پاتی تھیں، اس کی عدم موجودگی میں ہی وہ وراثت کی حق دار ہوتی تھیں[۱]۔ عربوں میں بھی وراثت کا اولین حق دار لڑکا ہوتا تھا، نیز چھوٹے بچوں اور عورتوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں:

كان النساء لا يورّثن فى الجاهلية من الآباء، وكان الكبير يرث ولا يرث الصغير وان كان ذكراً[۲]	عہد جاہلیت میں عورتیں میراث میں حصہ نہ پاتی تھیں۔ اسی طرح چھوٹا بچہ مستحق میراث نہ تھا، خواہ وہ لڑکا ہو۔

مفسرین نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

كان أهل الجاهلية لايورّثون النساء والاطفال و يقولون لا يرث الا من طاعن بالرماح وذا دعن الحوزة وحاز الغنيمة۔[۳]	اہل جاہلیت عورتوں اور بچوں کو میراث میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میراث صرف وہی پائے گا جو نیزہ بازی کر سکے، دفاع کر سکے اور مال غنیمت حاصل کر سکے۔

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے:

كانت الوراثة فى الجاهلية بالرجولة والقوة، وكانوا يورثون الرجال دون النساء۔[۴]	جاہلیت میں استحقاق میراث کی بنیاد مردانگی اور جواں مردی پر تھی۔ وہ صرف مردوں کو میراث دیتے تھے اور عورتوں کو اس سے محروم رکھتے تھے۔

اسلام نے عورت کو مستحقِ وراثت قرار دیا

اس کے برخلاف اسلام نے عورتوں کو سماج میں مردوں کے مساوی حیثیت دی اور انھیں بھی وراثت کا مستحق قرار دیا۔ قرآن کریم نے پوری صراحت اور قوت کے ساتھ اس کا اعلان کیا:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً۔ (النساء:۷)

مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔

اس آیت میں چند نکات قابل غور ہیں:

۱- اجمالی طور سے یہ نہیں کہا گیا کہ میراث میں مردوں اور عورتوں، سب کا حصہ ہے، بلکہ عورتوں کے حصہ کی الگ سے، مستقل طور پر صراحت کی گئی۔ اس سے عہد جاہلیت کے تصور کہ میراث میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں، کی پُرزور تردید اور عورتوں کے مستحقِ وراثت ہونے کی تاکید مقصود ہے۔ مفسّر ابوالسعودؒ فرماتے ہیں:

إيراد حكمهن على الاستقلال دون الدرج فى تضاعيف أحكامهم بان يقال للرجال و النساء الخ للاعتناء بأمرهن، و الإيذان با صالتهن فى استحقاق الارث و المبالغة فى ابطال حكم الجاهلية، فانهم ماكانوا يورثون النساء و الاطفال ويقولون انما نرث من يحارب ويذبّ عن الحوزة۔[۵]

احکامِ میراث میں عورتوں کا تذکرہ ضمناً کرنے کے بجائے، ان کے مستحقِ میراث ہونے کو اس آیت میں مستقلاً بیان کیا گیا، تاکہ ان کے معاملے میں دل چسپی کا اظہار ہو اور یہ بتادیا جائے کہ میراث کے استحقاق میں وہ کسی کے ماتحت نہیں ہیں اور زور دار انداز میں عہد جاہلیت کے رواج کی تردید کردی جائے، اس لیے کہ اہل جاہلیت وراثت میں عورتوں اور بچوں کا حصہ نہیں لگاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم صرف اسے میراث میں حصہ دیں گے جو جنگ اور دفاع کرسکتا ہے۔

اس آیت سے یہ واضح کردیا گیا کہ استحقاق میراث کے معاملے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ دونوں اس کے مستحق ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

أی الجمیع فیه سواء فی حکم الله تعالیٰ یستوون فی أصل الوراثة۔[٦]

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم میں سب برابر ہیں۔ اصل وراثت کے معاملے میں ان کے درمیان مساوات ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

إن أهل الجاهلية كانوا يجعلون جميع الميراث للذكور دون الإناث فأمر الله تعالیٰ بالتسوية بينهم فی أصل الميراث۔[٧]

اہل جاہلیت کل میراث مردوں کو دے دیتے تھے، عورتوں کو بالکل نہ دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اصل میراث میں ان کے درمیان مساوات رکھی جائے۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے:

بيّن تعالیٰ أن الإرث غير مختصّ بالرجال، بل هو امر مشترک فيه بين الرجال والنساء۔[٨]

اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ میراث مردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں۔

۲- یہ صراحت کردی گئی کہ مالِ وراثت چاہے زیادہ ہو یا کم، ہر حال میں عورتیں بھی اس میں سے حصہ پائیں گی۔ عموم کا تقاضا ہے کہ وراثت میں آنے والی وہ چیزیں بھی، جو صرف مردوں کے کام آتی ہیں، انھیں مردوں کے لیے خاص کرکے الگ کرلینا جائز نہیں، بلکہ وہ بھی تقسیم ہوں گی اور عورتیں ان میں سے بھی حصہ پائیں گی۔

علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں:

(مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ) وفائدته دفع توهّم اختصاص بعض الاموال ببعض الورثة كالخيل وآلات الحرب للرجال، وتحقيق ان لكل من الفريقين حقاً من كل ما جلّ ودقّ۔[٩]

(مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ) 'مال وراثت کم ہو یا زیادہ' کہنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے یہ وہم دور ہوجاتا ہے کہ بعض اموالِ وراثت بعض وارثوں کے لیے خاص کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً گھوڑے اور آلاتِ جنگ مردوں کے لیے مخصوص ہوں گے، بلکہ یہ کہا گیا کہ وراثت میں چاہے بہت زیادہ مال ہو یا بہت کم، اس میں دونوں فریقوں (یعنی مردوں اور عورتوں) کا حصہ ہے۔

۳- آخر میں نصیباً مفروضاً (مقرّر رحصہ) کہہ کر مزید تاکید کردی گئی کہ مال وراثت میں عورتوں کا حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جاسکتی نہ انھیں بالکلیہ محروم کیا جاسکتا ہے۔ عربی قواعد کی رؤ سے لفظ 'نصیب' پر دو زبر (نصیباً) اختصاص کی وجہ سے ہے یا مصدر کی وجہ سے، دونوں صورتوں میں تاکید مقصود ہے۔ علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے:

(نَصِيْباً مَّفْرُوْضاً) نصب على الاختصاص بمعنى أعنى نصيباً مقطوعاً واجباً لا بدّ لهم من أن يجوزوه ولا يستأثر به، ويجوز أن ينتصب انتصاب المصدر المؤكد كقوله فريضة من الله كانه قيل قسمة مفروضة۔[۱۰]

نصیباً مفروضاً اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی وراثت میں مردوں اور عورتوں کے حصے قطعی اور لازمی ہیں، ضروری ہے کہ انھیں ان کے حصے دیے جائیں، کسی کو محروم نہ کیا جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مصدر تاکیدی ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، جس طرح دوسرے مقام پر فریضةً من الله منصوب ہے۔ گویا کہا گیا ہے کہ میراث کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرض کردہ ہے۔

تقسیمِ میراث کا پیمانہ حصۂ نسواں

اسلام کی جانب سے عورتوں کی مزید عزّت افزائی کا مظہر یہ ہے کہ اس نے تقسیم میراث میں حصۂ نسواں کو اصل پیمانہ قرار دیا اور اس کی نسبت سے مردوں کا حصہ بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ۔ (النساء:۱۱)

تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

قرآن کی یہ تعبیر قابلِ غور ہے۔ یوں بھی کہا جاسکتا تھا کہ عورت کے لیے مرد کے حصہ کا نصف ہے یا دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر حصہ ملے گا۔ لیکن اس کے بجائے یہ کہا گیا کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ بعض مفسرین نے اس تعبیر کا

سبب مرد کی افضلیت قرار دیا ہے[۱۱]۔ لیکن اس کی کوئی معقولیت نہیں ہے، بلکہ اس کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں میراث میں لڑکی کا حصہ اصل ہے، اسی لیے اسے تقسیم میراث کے معاملے میں پیمانہ اور بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس حکمت کی طرف عہد حاضر کے مشہور مصلح اور مفسّر شیخ محمد عبدہٗ نے اشارہ کیا ہے۔ لکھا ہے:

اختیر فیها هذا التعبیر للإشعار بإبطال ما کانت علیه الجاهلیة من منع توریث النساء، فکأنه جعل إرث الأنثیٰ مقرّراً معروفاً، وأخبر أنّ للذکر مثله مرّتین أو جعله هو الأصل فی التشریع وجعل إرث الذکر محمولاً علیه یعرف بالإضافة إلیه، ولولا ذلک لقال للأنثی نصف حظّ الذکر، واذاً لا یفید هذا المعنیٰ ولا یلتئم السیاق بعده۔[۱۲]

اس جملہ میں یہ تعبیر یہ بتانے کے لیے اختیار کی گئی ہے کہ اہلِ جاہلیت نے عورتوں کو میراث سے محروم کرنے کا جو طریقہ اپنا رکھا تھا اسے باطل قرار دے دیا گیا ہے۔ گویا میراث میں عورت کا حصہ مقرر کر دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ مرد کو اس کا دوگنا ملے گا، یا عورت کے حصے کو قانونِ میراث میں اصل قرار دیا گیا اور مرد کے حصے کو اس پر محمول کیا گیا، جسے اس کی نسبت سے جانا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ عورت کے لیے مرد کے حصہ کا نصف ہے۔ اس صورت میں یہ مفہوم حاصل نہ ہوتا اور سیاق بھی اس سے مطابقت نہ رکھتا۔

اس بات کو مزید مدلّل کرتے ہوئے شیخ رشید رضاؒ نے لکھا ہے کہ میراث کی دونوں آیتوں (النساء: ۱۱-۱۲) میں تقسیم میراث کی جو صورتیں مذکور ہیں ان میں عورتوں کا حصہ صراحت کے ساتھ پہلے بیان کیا گیا ہے۔[۱۳]

مستحقینِ وراثت میں عورتوں کا تناسب

اسلام میں مستحقینِ وراثت کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے اس میں اہم ترین دو ہیں:

(۱) اصحاب الفرائض (۲) عصبہ

اصحاب الفرائض سے مراد وہ لوگ جن کے حصے قرآن، حدیث یا اجماعِ امت

سے متعین کر دیے گئے ہیں۔ عصبہ ان وارثوں کو کہا جاتا ہے جو میراث کی اصحاب الفرائض میں تقسیم کے بعد بچے ہوئے حصے کے مستحق بنتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

الحقوا الفرائض بأهلها فما بقی فلأولی رجل ذکر۔[۱۴]	میراث اصحابِ فرائض کے درمیان تقسیم کرو، پھر جو بچ جائے وہ میت کے سب سے قریبی مرد کے لیے ہے۔

(الف) اصحاب الفرائض

اصحاب فرائض بارہ ہیں:

(۱) باپ (۲) دادا (۳) اخیافی (ماں شریک) بھائی (۴) شوہر (۵) ماں (۶) دادی (۷) بیٹی (۸) پوتی (۹) حقیقی بہن (۱۰) علاّتی (باپ شریک) بہن (۱۱) اخیافی (ماں شریک) بہن (۱۲) بیوی۔

ان میں شوہر اور بیوی زوجیت کی بنا پر وارث قرار پاتے ہیں، اس لیے انھیں اصحاب الفرائض سببی کہتے ہیں۔ بقیہ لوگ قرابت ونسب کی بنا پر وارث بنتے ہیں، اس لیے انھیں اصحاب الفرائض نسبی کہا گیا ہے۔

ان میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے تقسیم میراث کے معاملے میں عورتوں کو کتنی اہمیت دی ہے اور کتنی فراخ دلی سے ان کا حصہ متعین کیا ہے۔

(ب) عصبہ

عصبہ کی متعدد ذیلی تقسیمیں ہیں:

(الف) عصبہ بنفسہ: وہ مستحق وراثت جس کا میت سے رشتے کے درمیان کسی عورت کا واسطہ نہ ہو۔ مثلاً: (۱) بیٹا یا پوتا وغیرہ (۲) باپ یا دادا وغیرہ (۳) بھائی یا بھتیجا وغیرہ (۴) چچا یا چچازار بھائی وغیرہ۔ یہ سب مرد ہوتے ہیں۔

(ب) عصبہ بغیرہ: یہ وہ عورتیں ہیں جن کا میراث میں حصہ متعین ہے، لیکن اپنے بھائی کی موجودگی میں وہ اس کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں اور ان کا متعین حصہ ختم ہوجاتا ہے۔ یہ چار ہیں:

(۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) حقیقی بہن (۴) علاّتی (باپ شریک) بہن

(ج) عصبہ مع الغیر۔ یہ بھی عورتیں ہوتی ہیں جو بیٹی یا پوتی کی موجوگی میں عصبہ بن جاتی ہیں اور ان کے متعین حصوں کی تقسیم کے بعد بقیہ میراث کی مالک ہوتی ہیں، بہ شرطے کہ ان کا بھائی موجود نہ ہو۔ یہ دو ہیں:

(۱) حقیقی بہن (۲) علاّتی (باپ شریک) بہن

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عصبہ ہونے کے معاملے میں بھی اسلام نے عورتوں کو محروم نہیں کیا ہے، بلکہ انھیں مستحقِ میراث قرار دیا ہے۔

کسی حال میں محروم نہ ہونے والے وارثین میں عورتیں بھی ہیں

مستحقینِ میراث میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو دوسرے وارثین کی موجودگی میں میراث سے بالکلیہ محروم ہوجاتے ہیں، مثلاً بھائی جو باپ کی موجودگی میں محروم رہتا ہے اور بعض لوگ وہ ہیں جو بالکلیہ تو محروم نہیں ہوتے، البتہ ان کا حصہ کم ہوجاتا ہے۔

چھ وارثین ایسے ہیں جو کسی بھی حال میں بالکلیہ میراث سے محروم نہیں ہوتے:

(۱) شوہر (۲) بیٹا (۳) باپ (۴) بیوی (۵) بیٹی (۶) ماں (ان میں سے بیٹا عصبہ میں سے ہے اور بقیہ اصحاب فرائض میں سے)۔

اس فہرست میں اگر تین مرد ہیں تو تین عورتیں بھی ہیں۔

میراث کے متعین کردہ حصے اور ان میں عورتوں کا استحقاق

میراث میں اصحاب فرائض کے جو حصے متعین کیے گئے ہیں ان کے مستحقین میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں تین گنی ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل جدول میں پیش کی جارہی ہے:

نمبر شمار	متعین کردہ حصہ	مستحقین	عورتوں اور مردوں کا تناسب
۱	دوتہائی ($\frac{2}{3}$)	(۱) دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں (۲) دو یا دو سے زیادہ پوتیاں (بیٹیاں نہ ہونے کی صورت میں) (۳) دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں (۴) دو یا دو سے زیادہ علاّتی (باپ شریک) بہنیں	۴:صفر
۲	نصف ($\frac{1}{2}$)	(۱) ایک بیٹی (۲) ایک پوتی (بیٹی نہ ہونے کی صورت میں (۳) ایک حقیقی بہن (۴) ایک علاّتی (باپ شریک) بہن (۵) شوہر (اگر متوفیہ کی اولاد نہ ہو)	۱:۴
۳	ایک تہائی ($\frac{1}{3}$)	(۱) ماں (اگر مرحوم کی اولاد اور بھائی نہ ہوں) (۲) اخیافی (ماں شریک) بہن (۳) دو یا دو سے زیادہ اخیافی (ماں شریک) بھائی	۱:۲
۴	چھٹا ($\frac{1}{6}$)	(۱) ماں (اگر مرحوم کی اولاد اور بھائی ہوں) (۲) دادی (۳) پوتی (بیٹی کی موجودگی میں) (۴) علاّتی (باپ شریک) بہن (حقیقی بہن کی موجودگی میں) (۵) اخیافی (ماں شریک) بہن (٦) اخیافی (ماں شریک) بھائی (۷) باپ (اگر متوفیہ کی اولاد ہو) (۸) دادا (مرحوم یا متوفیہ کی اولاد کی موجودگی میں)	۳:۵

۵	چوتھائی ($\frac{1}{4}$)	(۱) شوہر (اگر متوفیہ کی اولاد ہو) (۲) بیوی (اگر مرحوم شوہر سے اولاد نہ ہو)	۱:۱
٦	آٹھواں ($\frac{1}{8}$)	(۱) بیوی (اگر مرحوم شوہر سے اولاد ہو)	۱:صفر

اس جدول سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱- اصحاب فرائض کی حیثیت سے عورتیں سترہ (۱۷) حالتوں میں حصہ پاتی ہیں، جب کہ مرد صرف چھ حالتوں میں مستحق بنتے ہیں۔

۲- سب سے بڑا حصہ (دو تہائی) مردوں میں سے کسی کو نہیں ملتا، جب کہ چار طرح کی عورتیں اس کی مستحق ہوتی ہیں۔

۳- نصف حصہ مردوں میں سے صرف شوہر کو ملتا ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں جب متوفیہ کی کوئی اولاد نہ ہو (اور یہ صورت بہت کم پیش آتی ہے)، جب کہ یہ حصہ چار طرح کی عورتوں کو ملتا ہے۔

۴- تہائی حصے کی مستحق دو طرح کی عورتیں ہوتی ہیں اور ایک مرد۔

۵- چھٹے حصے کے مستحق آٹھ افراد ہوتے ہیں، جن میں سے مرد تین ہیں، جب کہ عورتوں کی تعداد پانچ ہے۔

٦- چوتھائی حصہ شوہر بھی پاتا ہے اور بیوی بھی۔ شوہر اس صورت میں جب متوفیہ کی کوئی اولاد ہو، اور بیوی اس صورت میں جب میت کی کوئی اولاد نہ ہو۔

۷- آٹھواں حصہ صرف بیوی کو ملتا ہے، جب کہ متوفی کی کوئی اولاد موجود ہو۔

وہ حالات جن میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہے

تقسیم میراث کے متعدد حالات ایسے ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہوتا ہے اور ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ وہ حالات درج ذیل ہیں:

۱- میت کے وارثین میں اگر اس کی اولاد بھی ہو اور والدین بھی تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۔ (النساء:۱۱)

اگر میت صاحبِ اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے۔

۲- میت کے اصول (یعنی باپ، دادا وغیرہ) اور فروع (یعنی بیٹا، پوتا وغیرہ) میں کوئی نہ ہو اور اس کا صرف ایک اخیافی (ماں شریک) بھائی یا بہن ہو تو دونوں صورتوں میں اسے چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۔ (النساء:۱۲)

اور اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم طلب ہے) بے اولاد بھی ہوا اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے۔

اس آیت میں 'کلٰلۃ' سے مراد وہ شخص ہے جس کے اصول وفروع میں سے کوئی نہ ہو اور 'اخ' (بھائی) اور 'اخت' (بہن) سے مراد اخیافی (ماں شریک) بھائی بہن ہیں۔ اس مفہوم پر امت کا اجماع ہے۔

۳- بعض حالات میں حقیقی بہن اتنا ہی حصہ پاتی ہے جتنا حقیقی بھائی مستحق بنتا ہے، مثلاً:

(الف) متوفیہ کے وارثین میں صرف شوہر اور حقیقی بھائی ہو تو شوہر کو نصف میراث ملے گی اور حقیقی بھائی عصبہ ہونے کی بنا پر باقی میراث (نصف) پائے گا۔ اسی طرح اگر اس کے وارثین میں صرف شوہر اور حقیقی بہن ہوں تو دونوں کے درمیان میراث

نصف نصف تقسیم ہوگی۔

(ب) اگر متوفیہ کے وارثین میں صرف شوہر، بیٹی اور حقیقی بھائی ہو تو شوہر کو چوتھائی اور بیٹی کو نصف میراث ملے گی اور حقیقی بھائی عصبہ ہونے کی بنا پر باقی میراث (چوتھائی) پائے گا۔ اسی طرح اگر اس کے وارثین میں شوہر، بیٹی اور حقیقی بہن ہوں تو شوہر کو چوتھائی اور بیٹی کو نصف میراث ملے گی اور حقیقی بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ ہونے کی بنا پر باقی میراث (چوتھائی) کی مستحق ہوگی۔

عورت کا حصہ مرد کا نصف ہونے کی بعض حالتیں

ان صورتوں کے ساتھ جن میں عورت کا حصہ مرد سے زیادہ ہوتا ہے یا اس کے برابر، چند مخصوص حالتیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد کا نصف ہوتا ہے۔ انھیں سطور ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱- اگر میت کے وارثین میں صرف اس کے ماں باپ ہوں (کوئی اولاد اور شوہر یا بیوی نہ ہو) تو ماں کا حصہ ایک تہائی ہوتا ہے اور بقیہ (دو تہائی) کا مستحق باپ قرار پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ۔ (النساء:۱۱)

اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہو تو ماں کے لیے تہائی حصہ ہے۔

اس آیت میں صرف ماں کے حصے (ایک تہائی) کی صراحت ہے۔ اس سے استنباطی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ باپ کا حصہ دو تہائی ہوگا۔

۲- اگر زوجین میں سے کوئی ایک وفات پا جائے اور دوسرے کو چھوڑ جائے تو عورت یعنی بیوی کا حصہ مرد یعنی شوہر کے مقابلے میں نصف ہوتا ہے۔ اگر اولاد ہو تو شوہر کو چوتھائی اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر اولاد نہ ہو تو شوہر نصف اور بیوی چوتھائی حصہ پائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ۔ (النساء:۱۲)

اور تمھاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمھیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں، ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمھارا ہے، جب کہ وصیت جو انھوں نے کی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو انھوں نے چھوڑا ہو ادا کردیا جائے اور وہ تمھارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو، ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا، بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کردی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو وہ ادا کردیا جائے۔

۳- اگر میت کی اولاد (بیٹے بیٹیاں) ہوں تو ان کے درمیان میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ ہر ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُوصِيكُمُ اللّهُ فِيٓ أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ۔ (النساء:۱۱)

اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تمھیں ہدایت دیتا ہے: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

۴- اسی طرح اگر میت کے بھائی بہن (حقیقی یا علاتی یعنی باپ شریک) ہوں تو ان کے درمیان بھی میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ ہر مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِن كَانُواْ إِخْوَةً رِّجَالاً وَنِسَاء فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ۔ (النساء:۱۷۶)

اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہرا اور مردوں کا دوہرا حصہ ہوگا۔

عورت کا حصہ کم ہونے کا سبب نظامِ معاشرت میں اس کی مخصوص پوزیشن ہے

ان صورتوں میں عورت کا حصہ مرد کا نصف ہونے سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حق تلفی کی گئی ہے اور اسے اس کے استحقاق سے کم دیا گیا ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ اسلامی نظام وراثت پر غائرانہ نظر ڈالی جائے اور اس کے خصائص ذہن میں مستحضر رہیں تو بہ خوبی واضح ہوتا ہے کہ ان صورتوں میں بھی اسے اس کے استحقاق اور احتیاج سے بڑھ کر دیا گیا ہے اور اس کی ادنیٰ سی بھی حق تلفی نہیں کی گئی ہے۔

مذکورہ صورتوں میں عورت کا حصہ مرد کا نصف ہونے کی بنیادی وجہ اسلامی نظام معاشرت میں اس کی مخصوص پوزیشن ہے۔ اسلامی نظام معاشرت میں کمانے، گھر کا خرچ چلانے اور ماتحت افراد کی مالی کفالت کرنے کی ذمہ داری مرد پر عائد کی گئی ہے، جب کہ عورت کو معاشی جدّ و جہد سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ بچپن میں اس کی کفالت باپ کے ذمے ہے، جوانی میں شادی کے بعد شوہر کے ذمّے اور بڑھاپے میں اولاد کے ذمے۔ وہ جس قدر مال کی مالک بنتی ہے سب اس کے پاس محفوظ رہتا ہے، دوسروں پر خرچ کرنا اس کی ذمہ داری نہیں، لیکن مرد جو کچھ مال حاصل کرتا ہے اسے زیر کفالت افراد پر خرچ کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ اس بنا پر یہ بات قرینِ انصاف ہے کہ مرد کا حصہ عورت کا دوگنا رکھا گیا ہے۔ اگر دونوں کا حصہ برابر کر دیا جاتا تو یہ مرد کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔ مفسرین کرام نے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

جعل للذكر مثل حظ الانثيين، وذلك لاحتياج الرجل الى مؤنة النفقة والكلفة ومعاناة التجارة والتكسب وتحمّل المشاق، فناسب ان يعطى ضعفى ما تأخذه الأنثى۔[۱۵]

اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر رکھا ہے۔ اس لیے کہ مرد کو نفقہ کا بوجھ اور تکلیف، تجارت اور کسب معاش کی دشواری برداشت کرنی پڑتی ہے اور دوسری مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ اسے عورت کے حصے کا دوگنا دیا جائے۔

علامہ رشید رضاؒ نے لکھا ہے:

الحكمة في جعل حظّ الذكر كحظّ الأنثيين هي أن الذكر يحتاج الى الإنفاق على نفسه وعلى زوجه، فكان له سهمان وأما الأنثى فهي تنفق على نفسها، فان تزوجت كانت نفقتها على زوجها۔ [۱۶]

ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ مرد کو اپنے اوپر بھی اور اپنی بیوی پر بھی خرچ کرنا پڑتا ہے، اس لیے اس کے دو حصے ہوئے، جب کہ عورت صرف اپنی ذات پر خرچ کرتی ہے اور اگر اس کی شادی ہوگئی ہو تو اس کا اپنا نفقہ بھی اس کے شوہر پر واجب ہوتا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

''چوں کہ شریعت نے خاندانی زندگی میں مرد پر زیادہ معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا ہے اور عورت کو بہت سی معاشی ذمہ داریوں کے بار سے سبک دوش رکھا ہے، لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ میراث میں عورت کا حصہ مرد کی بہ نسبت کم رکھا جاتا'' [۱۷]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے لکھا ہے:

''وراثت میں لڑکوں کا حصہ اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کے بالمقابل دونا رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے نظامِ معاشرت میں کفالتی ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ نے تمام تر مرد ہی پر ڈالی ہیں۔ عورت پر کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے۔ مرد ہی بیوی کے نان نفقہ کا بھی ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اور وہی بچوں کا بھی کفیل بنایا گیا ہے ... یہ چیز مقتضی ہوئی کہ مرد کو اس کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے بعض حقوق میں ترجیح ہو''۔ [۱۸]

یہی وجہ ہے کہ جن صورتوں میں مرد کی معاشی ذمہ داریاں کم یا ختم ہوجاتی ہیں ان میں تقسیم میراث کے معاملے میں عورت اور مرد کے درمیان فرق

نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً میت کی اولاد ہو اور اس کے ماں باپ بھی ہوں تو میراث میں ماں اور باپ ہر ایک کا چھٹا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ جس شخص کی اولاد بھی صاحبِ اولاد ہو اس کی معاشی ذمہ داری بڑی حد تک کم یا بالکل ختم ہو جاتی ہیں، اس کی حیثیت بالعموم اپنے پوتوں پوتیوں کے سرپرست کی ہوتی ہے، لیکن اگر میّت کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کا باپ صاحبِ اولاد ہو (یعنی میّت کے بھائی بہن ہوں) تو اس صورت میں اس (یعنی میّت کے باپ) کی معاشی ذمہ داری ہوسکتی ہے۔ اسی وجہ سے باپ کا حصہ ماں سے زیادہ رکھا گیا ہے (ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملتا ہے)۔

مرد اور عورت کے حصوں میں تفاوت کی بنیاد جنس پر نہیں ہے

اسلامی شریعت میں تقسیم میراث کی بعض صورتوں میں مرد اور عورت کے حصوں میں جو فرق و تفاوت پایا جاتا ہے وہ جنس کی بنیاد پر نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو بیٹے کے مقابلے میں باپ کا اور بیٹی کے مقابلے میں ماں کا حصہ کم نہ ہوتا۔ مستحقینِ میراث کے حصوں میں فرق و امتیاز کن اصولوں کی بنیاد پر کیا گیا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے عصر حاضر میں عالم عرب کے مشہور دانش ور ڈاکٹر محمد عمارہ نے لکھا ہے:

''میراث میں فرق و امتیاز کی بنیاد مرد و عورت ہونے پر نہیں ہے، بلکہ اس فرق کی بنیاد تین معیاروں اور اصولوں پر ہے:

اول: وارث (خواہ مرد ہو یا عورت) اور میّت مورث کے درمیان درجۂ قرابت ہے۔ لہٰذا یہ قرابت جتنی قریب ہوگی اسی لحاظ سے میراث میں وارث کا حصہ زیادہ ہوگا۔

دوم: نسلوں کے زمانی تسلسل کے تناظر میں وارث ہونے والوں کی نوعیت اور حیثیت ہے، لہٰذا وہ نئی نسلیں جو زندگی کا استقبال کر رہی ہیں، عام طور پر میراث میں ان کا حصہ ان پرانی نسلوں سے زیادہ ہوگا جو زندگی کو الوداع کہنے والی ہیں۔ اس میں وارثین کے مرد یا عورت ہونے کو معیار نہیں بنایا گیا ہے، مثلاً بیٹی ماں سے زیادہ حصہ پاتی ہے،

حالاں کہ وہ دونوں ہی عورتیں ہیں، بلکہ بیٹی باپ سے بھی زیادہ حصہ پاتی ہے۔ اور بیٹا باپ سے زیادہ حصہ پاتا ہے، جب کہ وہ دونوں مرد ہیں۔

سوم: وہ مالی ذمہ داری ہے جسے شریعت دوسروں کی کفالت سے متعلق وارث پر لازم کرتی ہے۔ یہی وہ معیار ہے جو مرد وزن کے درمیان تفاوت کا سبب بنتا ہے۔ شریعت میں ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اس لیے کہ یہاں پر (درجۂ قرابت ونسل کی برابری کی حالت میں) مرد وارث اپنی بیوی کی کفالت کا مکلّف ہے، جب کہ وارث ہونے والی عورت کی کفالت اس مرد پر فرض ہے جو اس کا رفیقِ حیات ہے۔ اگر فرق کی ان صورتوں کا موازنہ میراث کی عام حالتوں سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صورتیں بہت کم ہوتی ہیں'۔ [۱۹]

حاصل بحث

خلاصہ یہ کہ اسلامی شریعت میں تقسیم میراث کا نظام مساوات پر نہیں، بلکہ عدل پر مبنی ہے۔ اس میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، کہیں اس کے برابر اور کہیں کم۔ جن صورتوں میں اسے مرد سے کم ملتا ہے ان میں اسلامی نظامِ معاشرت کے وسیع تناظر میں غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی اسے اس کے استحقاق اور احتیاج سے زیادہ دیا گیا ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: د. مصطفیٰ السباعی، المرأۃ بین الفقہ والقانون، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۵ء، طبع چہارم، ص ۱۳-۲۲۔ بحث: تطور حقوق المرأۃ عبر التاریخ

۲۔ طبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، دار المعارف قاہرہ، مصر، ۷/ ۵۹۹

۳۔ فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر، المکتبۃ التوفیقیۃ، قاہرہ، مصر، ۹/ ۱۶۷

۴۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۸۷ء، ۵/ ۷۹

۵۔ ابوالسعود العمادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، برحاشیہ التفسیر الکبیر

للرازی، المطبعۃ العامرۃ مصر، ۱۳۰۸ھ، ۳/۲۰۴-۲۰۵

۶ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، مؤسسۃ الریان، بیروت، ۲۰۰۷ء، ۱/۵۰۹

۷ حوالہ سابق، ۱/۵۱۲

۸ تفسیر کبیر، ۵/۱۶۷

۹ ارشاد العقل السلیم، (تفسیر ابی السعود) ص ۲۰۵-۲۰۶

۱۰ زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، طبع مصر، ۱۹۷۲ء، ۱/۵۰۳؛ مزید ملاحظہ کیجیے رازی، التفسیر الکبیر، ۹/۱۶۸، تفسیر ابی السعود، ۳/۲۰۶۔ علامہ ابوالسعود نے لکھا ہے کہ یہ حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔

۱۱ کشاف، ۱/۵۰۵، تفسیر کبیر، ۹/۱۷۹

۱۲ السید رشید رضا، تفسیر المنار، طبع مصر، ۴/۴۰۵

۱۳ حوالہ سابق، ص ۴۰۶

۱۴ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث الولد من ابیہ وامہ، ۶۷۳۲، صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب الحقوا الفرائض بأہلہا الخ، ۱۶۱۵

۱۵ تفسیر ابن کثیر، ۱/۵۱۲

۱۶ تفسیر المنار، ۴/۴۰۶

۱۷ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، طبع دہلی، ۱۹۶۳ء، ۱/۳۲۶،

۱۸ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ۲/۲۶۰

۱۹ ڈاکٹر محمد عمارہ، تقریظ بر رسالۂ میراث المرأۃ وقضیۃ المساواۃ از ڈاکٹر صلاح الدین سلطان، اردو ترجمہ بہ عنوان 'عورت کا حق میراث شریعت اسلامی کی روشنی میں' از نورالحق رحمانی، قاضی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲-۱۳

☆☆☆

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی چند اردو مطبوعات

	کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱	معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	۱۳۷	۹۰
۲	مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	۱۰۰
۳	مشترکہ خاندانی نظام اور نظریہ اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۰۲	۴۰
۴	وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۹۲	۴۰
۵	آزادئ فکر و نظر اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۲۸	۴۰
۶	قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۹۶	۷۰
۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۰۰	۵۰
۸	اہلِ مذاہب کو قرآن کی دعوت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۸۴	۴۵
۹	کفر اور کافر قرآن کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی		
۱۰	جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	۲۲۴	۵۰
۱۱	مسلمانوں کی حقیقی تصویر	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱۶۴	۵۵
۱۲	عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۱۳۶	۳۰
۱۳	شیئر بازار میں سرمایہ کاری	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	۱۵۶	۴۵

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی- ۲۵

دین میں مصالح کی اہمیت

مولانا محمد جرجیس کریمی

اسلام کی مختلف خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ دین مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیے ہیں ان میں انسانوں کے لیے بے پناہ فوائد پوشیدہ ہیں۔ اگر ان احکام پر عمل نہ کیا جائے اور دین کو ترک کر دیا جائے تو ان فوائد سے محرومی کے ساتھ طرح طرح کے نقصانات لاحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ (الحج:۷۸) — اور اللہ نے تمھارے لیے دین میں کوئی حرج نہیں بنایا ہے۔

اسلام میں مصالح اور علماء کی آراء

قرآن وحدیث میں ایسی بے شمار نصوص ہیں جن میں احکام میں مصالح اور حکمتوں کی وضاحت کی گئی ہے اور علماء نے اس پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں اسرار شریعت اور احکام کی علتوں کو بیان کیا گیا ہے۔[۱] علماء اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور اس کے احکام میں حکمت ومصلحت پائی جاتی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

فأئمة الفقهاء متفقون على اثبات الحكمة والمصالح فى أحكامه الشرعية وانما ينازع فى ذلك طائفة من نفاة القياس وغير نفاته۔[۲] — تمام ائمہ فقہاء احکام شرع میں حکمت و مصالح کے اثبات کے مسئلے پر متفق ہیں۔ اس سلسلے میں قیاس کو نہ ماننے والوں اور کچھ دوسرے لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔

جو لوگ احکام میں مصالح اور حکمتوں کا انکار کرتے ہیں ان کے اعتراضات کا

جواب دیتے ہوئے امام موصوف لکھتے ہیں:

''اہل سنت اللہ تعالیٰ کے احکام میں تعلیل (علت) کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور وہ راضی ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ ان کے نزدیک پسند کرنا اور راضی ہونا مطلق طور پر کسی چیز کا ارادہ کرنے کے مقابلے میں زیادہ خاص ہے (یعنی کسی حکم کی بجا آوری رضائے الٰہی کے لیے ہونا اس کی علت قرار دی جاسکتی ہے) بے شک اللہ تعالیٰ کفر، فسق اور عصیان کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ کہ اللہ کی مشیّت وارادہ کے بغیر کوئی شخص ان افعال کو انجام نہیں دے سکتا'' ۔[۳]

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ احکام میں علّت تسلیم کرنے کی صورت میں تسلسل اور دور لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ حکمت کا تابع قرار پائے گا، جس سے وہ برتر و بالا ہے۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام موصوف لکھتے ہیں:

''یہ تسلسل مستقبل میں واقع ہونے والے واقعات کے بارے میں لازم آتا ہے نہ کہ گذشتہ واقعات کے بارے میں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے کسی کام کو کسی حکمت کے لیے انجام دیا تو حکمت اس فعل کے بعد حاصل ہوگئی۔ اب اگر اس حکمت سے دوسری حکمت چاہی جائے تو یہ تسلسل مستقبل میں پیش آئے گا۔ اور وہ حاصل شدہ حکمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور ایک دوسری حکمت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسی حکمتیں پیدا کرتا رہتا ہے جن کو وہ پسند کرتا ہے اور ان کو دوسری حکمتوں کا سبب بھی بناتا رہتا ہے۔ جمہور مسلمان اور دوسرے فرقوں کے لوگ مستقبل میں تسلسل کے قائل ہیں، ان کے نزدیک جنت اور جہنم میں ثواب وعذاب ایک کے بعد ایک تسلسل کے ساتھ حاصل رہے گا'' ۔[۴]

امام موصوف دین میں مصالح اور حکمتوں کی موجودگی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''جب فرد کو معلوم ہوگیا کہ فی الجملہ اللہ تعالیٰ کے دین (اوامر ونواہی) میں عظیم حکمتیں ہیں تو اتنی ہی بات اس کے لیے کافی ہے، پھر جوں جوں اس کے ایمان وعلم میں اضافہ ہوگا اس پر حکمت اور رحمت الٰہی کے اسرار کھلتے جائیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے: ''سَنُرِيهِمْ آيٰتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ '' (فصّلت :۵۳) ''عن قریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ یہ قرآن برحق ہے''۔ یا جیسا کہ ایک حدیث میں اس مفہوم کو مزید واضح کیا گیا ہے: ''اللہ بندوں کے حق میں اس سے زیادہ رحیم ہے، جتنا ماں اپنے بچے کے لیے رحم دل ہوتی ہے''۔[۵]

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ان لوگوں کی پرزور تردید کی ہے جنھوں نے احکام میں مصلحتوں کا انکار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

قد يُظنّ أن الأحكام الشرعية غير متضمنة لشئ من المصالح ... وهذا ظن فاسد تكذبه السنة واجماع القرون المشهود لها بالخير۔[۶]	بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ احکام شرعیہ قطعاً حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل نہیں ہیں ..... یہ خیال سراسر فاسد ہے اور سنت اور اجماعِ امت سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

مصالح کے فوائد

محدث دہلویؒ نے ان مصالح اور حکمتوں کو جاننے کے فوائد بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ان میں سے بعض اہم فوائد درج ذیل ہیں:

۱- اس سے معجزۂ قرآن کی طرح (جس کے معارضہ سے انسان عاجز ہوگئے) شریعت کے معجزے کا اظہار ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت تمام شریعتوں سے کامل تر ہے اور اس میں ایسی مصلحتیں پیش نظر رکھی گئی ہیں جن کی رعایت کسی اور طریقے پر ممکن نہیں۔ یہ کامل شریعت ایک نبی امی کی طرف سے پیش کی گئی ہے۔

۲- شریعت اسلامیہ پر کامل ایمان ویقین کے ساتھ اگر اس کی مصلحتیں بھی معلوم ہوجائیں تو اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے اور یہ طمانینت شرعاً مطلوب ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایمان کامل کے باوجود اللہ تعالیٰ سے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے ان کے سامنے ایک معجزہ دکھا دیا گیا۔ ۷

۳- فروعی مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلافات رونما ہوئے ہیں۔ مصالح کے علم سے ان اختلافات میں کسی ایک مسئلے کو ترجیح دینے میں مدد ملتی ہے۔

۴- شریعت کے بعض مسائل میں بعض فرقوں کو شک ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں شریعت کا حکم خلافِ عقل ہے اور جو چیز عقل کے خلاف ہو اسے رد کر دینا چاہیے، جیسے عذاب قبر کے بارے میں معتزلہ کو شک ہے۔ اسی طرح قیامت میں حساب کتاب اور اعمال کے تولے جانے کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے، اسے حساب لینے اور اعمال کو تولنے کی کیا ضرورت؟ غرض کہ اس طرح کے اور دیگر مسائل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خلافِ عقل ہیں۔ اس کا سدّ باب اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ ان کے بارے میں مصلحتوں اور حکمتوں کو بیان کیا جائے، تاکہ شک کا ازالہ ہو۔ ۸

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ''شرعی احکام میں تین طریقوں سے مصالح ثابت ہوتے ہیں:

۱- متعلق فعل میں مصلحت شامل ہو، اگرچہ شریعت میں اس کی وضاحت نہ کی گئی ہو، جیسے عدل وانصاف کی مصلحت دنیا میں امن وامان کا قیام ہے اور ظلم اور ناانصافی فسادِ عالم کا سبب ہے۔ یہ مصلحت عقل اور شرع دونوں سے ثابت ہے۔

۲- شریعت نے جب کوئی حکم دیا تو اس کی بجا آوری ہی میں مصلحت ہے اور کسی چیز سے منع کیا تو اس سے احتراز کرنا ہی تقاضائے مصلحت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شارع کے حکم سے حسن وقبح کا تعین ہوتا ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ کسی حکم کے ذریعہ بندے کا محض امتحان لینا چاہتا ہو کہ وہ اس کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں؟ حقیقت میں حکم کی تعمیل مقصود نہ ہو، جیسے حضرت ابراہیم

علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دینا، یا بنی اسرائیل کے تین افراد (گنجا، برص زدہ اور اندھے) کی آزمائش کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خصوصی نعمتوں کا اعتراف کریں اور راہ حق میں خرچ کریں۔ اس صورت میں حکمت نفسِ حکم میں ہے نہ کہ اس کی تعمیل کرنے میں''۔[۹]

علامہ ابواسحاق الشاطبیؒ فرماتے ہیں:

إن وضع الشرائع انما هو لمصالح العباد فی العاجل والآجل معاً۔[۱۰]	احکام شریعت کا اصل مقصد دنیا وآخرت میں بندوں کے مصالح کی حفاظت ہے۔

علامہ ابن قیم الجوزیہؒ لکھتے ہیں:

فان الشریعة مبناها وأساسها علی الحکم ومصالح العباد فی المعاش والمعاد، وهی عدل کلّها و رحمة کلها ومصالح کلها وحکمة کلها۔[۱۱]	شریعت کی بنا اور اساس بندوں کے دنیوی واخروی مصالح اور حکمتیں ہیں اور وہ پوری کی پوری عدل، رحمت، حکمت اور مصلحت ہے۔

مصلحت کا معنیٰ ومفہوم

صَلُح، یصلح، صلاحاً وصلوحاً و صلاحیة کے معنیٰ درست اور ٹھیک ہونے کے ہیں۔ اسی سے مصلحت ہے اور اس کی جمع مصالح ہے۔ اس کی ضد فساد اور مفسدۃ ہے، جس کے معنی بگاڑ اور خرابی کے آتے ہیں۔ اس کے اصطلاحی معنیٰ ہیں احکامِ شرع کا مصالح کے مطابق ہونا۔ اس میں جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت دونوں پہلو شامل ہوتے ہیں۔ علماء اسلام نے مصالح کی تشریح مختلف زاویوں سے کی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

> ''منفعت کا حصول اور مضرت کا دفع کرنا مخلوق کی بنیادی ضروریات میں سے ہے اور خلق کی اصلاح اس امر پر ہے کہ ان کے مقاصد پورے کیے جائیں۔ یہاں اصلاح سے مراد وہ اصلاح ہے، جو شریعت کا مقصود ہے اور خلق کے حق میں شریعت کا مقصود پانچ امور ہیں: دین کی

حفاظت، نفس کی حفاظت، عقل کی حفاظت، نسل کی حفاظت اور مال کی حفاظت۔ لہٰذا ہر وہ حکم یا طریقہ جو ان پانچ اصولوں کا ضامن ہوگا، مصلحت اور اصلاح کہلائے گا اور جس سے یہ اصول فوت ہوتے ہیں وہ طریقہ مفسدہ کہلائے گا اور مفسدہ کو دفع کرنا واجب و لازم ہے''۔۱۲

علامہ آمدیؒ مصلحت کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حکم کی مشروعیت کا مقصود یا تو کسی مصلحت و فائدہ کو حاصل کرنا ہے، یا کسی مضرّت کو دور کرنا، یا دونوں ہی مقصود ہیں''۔۱۳

مصالح دین کو مقاصدِ شریعت بھی کہا جاتا ہے۔ شیخ طاہر بن عاشورؒ مقاصدِ شریعت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مقاصد شریعت ان معانی اور حکمتوں کو کہتے ہیں جنھیں شارع نے قانون سازی کے تمام یا اکثر حالات میں ملحوظ رکھا ہے، اس طور پر کہ اسے شریعت کے کسی خاص قسم کے حکم کے ساتھ مخصوص نہیں رکھا گیا ہے۔ لہٰذا اس میں شریعت کے وہ عمومی اوصاف اور اہداف بھی آتے ہیں جنھیں ملحوظ رکھنے سے شریعت پہلو تہی نہیں کرتی''۔۱۴

استاذ علال الفاسیؒ فرماتے ہیں:

''مقاصد شریعت، شریعت کے اہداف اور ان اسرار و رموز کو کہتے ہیں جنھیں شارع نے تمام احکام میں ملحوظ رکھا ہے''۔۱۵

ڈاکٹر یوسف حامد العالم نے مصالح کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''مقاصد شریعت ان مصالح وفوائد کو کہتے ہیں جو بندوں کو دنیا و آخرت میں حاصل ہوتے ہیں، خواہ یہ فوائد جلبِ منفعت کے ذریعے حاصل ہوں یا دفعِ مضرّت کے ذریعے''۔۱۶

مصلحت کی قسمیں

مصلحت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: اخروی اور دنیاوی۔ اخروی مصلحت

سے مراد موت کے بعد آخرت میں اللہ کی رضا کا حصول، جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات ہے۔ اور دنیاوی مصلحت کا تعلق دنیا کی زندگی میں منفعت کے حصول یا دفعِ مضرّت سے ہے۔ جمہور فقہاء نے دنیاوی مصالح کی تین قسمیں کی ہیں: ۱-ضروریہ، ۲-حاجیہ، ۳-تحسینیہ۔ ۱۷

۱-مصلحتِ ضروریہ

مصلحت ضروریہ کا معنیٰ ہے وہ مصلحت جس کی رعایت کے بغیر انسان کی صحت مندانہ زندگی کا تصور ممکن نہ ہو۔ عصری اصطلاح میں اسے انسان کے بنیادی حقوق بھی کہہ سکتے ہیں۔ مصلحت ضروریہ کا دائرہ پانچ چیزوں پر محیط ہے:

۱- دین، ۲- جان، ۳-نسل، ۴- مال، ۵-عقل۔

ذیل میں ان کی اہمیت سے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر پیش کیا جاتا ہے:

دین وعقیدہ کی حفاظت:

اسلام کے نزدیک انسان کی زندگی دین وعقیدہ کے بغیر بے معنیٰ ہے۔ وہ اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ آدمی ایمان وعقیدہ سے عاری زندگی گزارے۔ ایسی صورت میں وہ اس بات کو کیسے پسند کرسکتا ہے کہ وہ دوسرے کے دین وعقیدہ میں خلل ڈالنے کا باعث ہو، یا خود اپنے ایمان سے پھر جائے۔ شریعت کی نگاہ میں یہ قابل سزا جرم ہے۔ دوسرے معنیٰ میں اسلام معاشرہ کو مذہبی خلفشار سے بچانا چاہتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آدمی خود گم راہ ہو اور دوسروں کی گم راہی کا بھی سبب بنے۔ اس کے سدِّ باب کے آخری ذریعہ کے طور پر سزائے مرتد متعین کی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

من بدّل دینه فاقتلوه ۔۱۸ جو اپنے دین کو تبدیل کرلے (یعنی اسلام سے پھر جائے) اسے قتل کردو۔

دین کی حفاظت کا تعلق صرف مرتد اور بدعتی کے حوالے سے ہی نہیں، بلکہ کفار و

مشرکین کے حوالے سے بھی مطلوب ہے۔ چنانچہ ان میں سے جو لوگ مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوں ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کی بنیادی وجہ دین کی حفاظت ہے۔ تاکہ کفر وشرک اور باطل ادیان غالب ہوکر مسلمانوں کے لیے فتنہ کا باعث نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ (البقرۃ:۱۹۱)

ان سے لڑو جہاں بھی تمھارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انھیں نکالو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے، اس لیے کہ قتل اگرچہ برا ہے، مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔

حفاظت دین کے مفہوم میں شعائر دین، مساجد، جماعت، سنت کی حفاظت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی شامل ہے۔

جان کی حفاظت

کرۂ ارضی کی ساری آبادی، یہاں کی بہاریں اور سرگرمیاں انسانوں کے دم سے ہیں اور ان کی زندگی کی بقا کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ ایک دوسرے کی جان کے درپے نہ ہوں، ورنہ یہ دنیا ویران ہوجائے گی اور یہاں کی ساری رونق جاتی رہے گی۔ اسی لیے اسلام میں ایک آدمی کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ اس کا عمل یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس کا دل حیاتِ انسانی کے احترام سے خالی ہے۔ لہٰذا وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً (المائدۃ:۳۲)

جس کسی نے سوا اس حالت کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں فساد پھیلانے (لوٹ مار کرنے) والوں کو سزا دینی ہو، کسی جان کو قتل کر ڈالا تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس نے کسی کی زندگی بچائی ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دی۔

انسانی جان کی قدر و قیمت کا تقاضا ہے کہ آدمی خود بھی اپنی جان کو ختم کر دینے کے درپے نہ ہو۔ اس لیے اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيماً۔ (النساء:۲۹)

اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین مانو کہ اللہ تمھارے اوپر مہربان ہے۔

حفاظتِ جان کے مدِّنظر ہی شریعت میں قصاص کے احکام دیے گئے ہیں، جس میں نہ صرف جان کے بدلے جان کی دفعہ بیان کی گئی ہے، بلکہ معمولی چوٹ اور زخم، حتّٰی کہ تھپڑ پر بھی قصاص کو مشروع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالأَنفَ بِالأَنفِ وَالأُذُنَ بِالأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۔ (المائدۃ:۴۵)

اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کردی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت، اور زخموں کا بھی برابر کا بدلہ ہے۔

ساتھ ہی قصاص کو انسانوں کے لیے حیات بخش قرار دیا گیا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيوٰةٌ يٰأُولِي الأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (البقرۃ:۱۷۹)

عقل و خرد رکھنے والو، تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کروگے۔

نسل کی حفاظت

نسل کی حفاظت درحقیقت نوع انسانی کی حفاظت ہے، کیوں کہ دوسری صورت میں انسانی معاشرہ خلفشار کا شکار ہوجائے گا۔ شریعت کی نگاہ میں ضروری ہے کہ ہر بچہ اپنے والدین کی نگرانی میں تربیت پائے اور وہی ان کا وارث بنے۔ یہ مقاصد چونکہ صرف ازدواجی زندگی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلام میں نکاح کو مشروع قرار دیا گیا ہے اور دیگر ہر طرح کے جنسی تعلقات کو حرام کیا گیا ہے اور ان پر حد مقرر کی گئی ہے۔ (النور:۲)

حفاظتِ نسل کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کسی کے نسب کو متہم کیا جائے نہ بغیر پختہ ثبوت کے اس پر زنا کا الزام لگایا جائے، کیوں کہ اس صورت میں نسب کے تعین میں شبہ پیدا ہوگا اور پیدا شدہ بچے کے مصالح فوت ہوں گے، نیز متہم شخص کی سماجی زندگی متاثر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً ۔(النور:۴)

اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر زنا کا الزام لگاتے ہیں اگر وہ چار گواہ نہ لاسکیں تو انھیں اسّی کوڑے مارے جائیں اور ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے نا قابل اعتبار سمجھی جائے۔

مال کی حفاظت

مال زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ اس کے بغیر انسان کو خوراک، لباس اور مکان کے سلسلے میں کوئی چارہ نہیں۔ مال نہ ہو تو آدمی غربت و افلاس کا شکار ہوجائے۔ اس لیے شریعت نے مال کمانے، رکھنے اور خرچ کرنے کے ساتھ اس کو چوری، غصب اور ڈاکہ زنی سے محفوظ رکھنے کے احکام دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ۔(النساء:۲۹)

اے ایمان والو، ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ کوئی مال باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعے حاصل ہوجائے۔

ناجائز طریقے سے دوسرے کا مال کھانے کے مفہوم میں ہر وہ طریقہ شامل ہے جو شریعت اور عرف عام میں ناجائز ہو، چاہے وہ عیاں ہو یا خفیہ۔ ایک حدیث میں ہے:

من اشترى سرقة وهو يعلم انها سرقة فقد شرك فى عارها واثمها۔[۱۹]

جس نے چوری کا مال خریدا، یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے، وہ اس کے گناہ اور برائی میں شریک ہوا۔

حفاظتِ مال کی غرض سے شریعت اسلامیہ میں چوری اور ڈاکہ زنی کی سزا متعین کی گئی ہے۔ (المائدۃ: ۳۳، ۳۸) اور سود، جوا، ناپ تول میں کمی بیشی، بیع غرر، ذخیرہ اندوزی اور وہ تمام طریقے حرام قرار دیے گئے ہیں جن سے کسی فرد کو مالی نقصان لاحق ہوسکتا ہے۔

عقل کی حفاظت

عقل کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ اس کو ایسی چیزوں سے بچایا جائے جو انسان کے فتور کا باعث ہوں، اسے آفتوں میں مبتلا کردینے والی ہوں اور ان کی وجہ سے وہ اذیت میں مبتلا ہو۔ چنانچہ شریعت میں شراب اور دوسری تمام نشہ آور اشیاء حرام ہیں اور ان کے استعمال پر سزا نافذ کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَـٰٓأَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَـنُـوٓاْ إِنَّمَـا الْخَمْرُ وَالْـمَيْسِـرُ وَالأَنـصَـابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْـسٌ مِّـنْ عَـمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِيْ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللّهِ وَعَنِ الصَّلوٰةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ۔ (المائدۃ:۹۰-۹۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمھیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟!۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من شرب الخمر فاجلدوه۔[۲۰]

جو شخص شراب نوشی کرے اسے کوڑے لگاؤ۔

شریعت کے یہی وہ پانچ مصالح ہیں جنھیں 'مصالح ضروریہ' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کی حفاظت کو شریعت نے لازم قرار دیا ہے اور ان کو پامال کرنے والے کے

خلاف سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

''ان پانچ اصولوں کی حفاظت ضروریاتِ انسانی میں شمار ہوتی ہیں اور مصالح خلق کا یہ اعلیٰ ترین درجہ ہے ..... ان مصالح کی حفاظت کی تاکید دنیا کے ہر مذہب اور مہذّب سوسائٹی نے کی ہے''۔ ۲۱

علامہ ابواسحاق الشاطبیؒ ان مصالح کی اہمیت سے متعلق لکھتے ہیں:

''دین و دنیا کے مصالح کے قیام کے لیے یہ ضروری ہیں۔ اگر یہ مفقود ہوں تو سلامتی کے ساتھ مصالح دنیا قائم نہیں رہ سکیں گے، بلکہ انسانی زندگی میں فساد اور خلفشار رونما ہوگا اور اخروی زندگی میں نجات و کامیابی سے محرومی ہاتھ آئے گی، جو سراسر نقصان اور خسران ہے''۔ ۲۲

۲۔ مصلحتِ حاجیہ

مصلحت کی دوسری قسم، جس کی شریعت نے رعایت کی ہے، مصلحتِ حاجیہ ہے۔ اس سے مراد وہ مصلحت ہے جس کی رعایت سے انسانی زندگی میں سہولت پیدا ہو اور عدمِ رعایت سے تنگی اور مشقت لاحق ہو، مگر اس درجہ میں نہ ہو، جیسا کہ مصالح ضروریہ کے فوت ہونے سے لاحق ہوتی ہے۔ امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

''حاجیات کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کی ضرورت توسّع کے حصول اور تنگی کے ازالہ کے مقصد سے ہوتی ہے کہ اگر وہ پوری نہ ہوں تو حرج اور مشقت لاحق ہو اور اگر ان کی رعایت ملحوظ نہ رکھی جائے تو مکلّف افراد فی الجملہ حرج اور مشقت میں مبتلا ہو جائیں، مگر وہ اس درجہ میں نہ پہنچے کہ ان سے فساد رُونما ہو، جیسا کہ مصالح ضروریہ کے نہ پائے جانے سے فساد رُونما ہوتا ہے''۔ ۲۳

اس تعریف کی روشنی میں علماء نے مصلحت حاجیہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں: حاجیہ اصلیہ، حاجیہ مکمّلہ۔ یہ دونوں قسمیں تمام احکام، عبادات، معاملات، عادات اور

جنایات میں موجود ہیں۔عبادات میں مصلحت حاجیہ کی رعایت کی مثال احکام کی تعمیل میں رخصتوں کی موجودگی ہے، جیسے مجبور کے لیے کلمۂ کفر کہنے، اضطراری حالت میں مردار کھانے، پانی کی عدم موجودگی یا مرض کی صورت میں تیمّم کرنے اور حیض ونفاس کی حالت میں نماز ترک کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔اسی طرح مریض، مسافر، حاملہ اور مرضعہ کو روزے دوسرے ایام میں رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

معاملات میں مصلحت حاجیہ کی مثالوں میں کم سن بچی کے نکاح کے انعقاد کے لیے ولی کی شرط، خرید وفروخت، اجارہ، مساقاۃ اور قرض کے لین دین کے معاملات کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ان میں سے کوئی بھی چیز مصلحتِ ضرورییہ میں سے نہیں ہے کہ اس پر عمل نہ کرنے سے انسان کے بنیادی حقوق پامال ہوتے ہوں،مگر زندگی کی بقا کے لیے یہ چیزیں ضروری ہیں۔ عادات میں مصلحتِ حاجیہ کی مثال شکار کا جائز ہونا اور کھانے پینے میں پاکیزہ چیزوں سے لطف اندوزی کا درست ہونا ہے۔

یہ مثالیں مصلحتِ حاجیہ اصلیہ کی ہیں۔مصلحتِ حاجیہ مکمّلہ کی مثالوں میں مسافر اور مریض کے لیے دونمازوں کو ایک وقت میں ادا کرنے اور حالتِ سفر میں قصر کی اجازت ،صغیرہ کے نکاح میں کفو کی رعایت، مہر مثل، قرض و رہن میں گواہی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

۳۔مصلحتِ تحسینیہ

مصلحت کی تیسری قسم تحسینیہ ہے۔اس سے مراد وہ مصلحت ہے جس کی رعایت سے احکام و اعمال میں حسن اور خوبی پیدا ہو اور عقل سلیم اس کا تقاضا کرے،لیکن عدم رعایت سے حرج اور تنگی پیدا نہ ہو۔ یہ مصلحت بھی عبادات، معاملات ، عادات اور جنایات میں پائی جاتی ہے۔اس کی مثالیں یہ ہیں: نجاست کو زائل کرنا، پردہ کرنا، زیب وزینت اختیار کرنا، صدقہ و خیرات کرنا، کھانے پینے میں آداب ملحوظ رکھنا، غیر پاکیزہ چیزیں کھانے سے پرہیز کرنا، اسراف اور فضول خرچی سے بچنا، گندگی کی خرید وفروخت

سے منع کرنا یا زائد پانی یا گھاس سے روکنا، غلام کو گواہی اور امامت و خلافت کے لیے نااہل قرار دینا، اسی طرح عورت کو امامت کے لیے نااہل قرار دینا، یا اس کے از خود نکاح کرنے کی ممانعت، یا غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرنے کی ممانعت، یا جہاد میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو مارنے کی حرمت وغیرہ۔[۲۴]

اخروی مصلحت کے حوالے سے ایک بات یہ بھی جاننی چاہیے کہ اس میں رضائے الٰہی کا حصول، جنت میں داخلہ اور جہنم کی آگ سے نجات کے ساتھ تزکیہ و تربیت نفس، تہذیبِ اخلاق، عبادات پر مشقتوں کی برداشت کی تربیت اور قوائے شہوانیہ وغضبیہ پر کنٹرول وغیرہ مطلوب ومراد ہیں۔

مصالح کی تینوں قسموں میں مصلحت ضروریہ بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور باقی دونوں قسمیں اس کی تابع ہیں۔ اگر مصلحت ضروریہ مفقود ہوگی تو بہ درجہ اولیٰ مصلحت حاجیہ ومصلحت تحسینیہ بھی مفقود ہوں گی، لیکن اس کے برعکس کا وقوع لازم نہیں۔ مصالح کے حوالے سے دوسری اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ خواہشاتِ نفسانی کی تابع نہیں ہیں، یعنی خواہشِ نفس کو مصلحت قرار نہیں دیا جاسکتا، کیوں کہ شریعت اسی لیے آتی ہے کہ لوگوں کو ہوائے نفس کی جکڑ بندیوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف لائے۔[۲۵]

مصالحِ دین انہی اقسام میں محدود نہیں ہیں

دین میں مصالح اور حکمتوں کی تشریح میں علماء نے عام طور پر انھیں پنج گانہ مصالح کا تذکرہ کیا ہے اور ان میں تین درجات (ضروریہ، حاجیہ اور تحسینیہ) قائم کیے ہیں۔ مگر بعض علماء نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مصالح دین انہی اقسام میں محدود و محصور نہیں ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی مصالح کی اقسام میں توسیع کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے امام ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ علامہ ابن القیمؒ کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''بعض لوگ مصالح مرسلہ کو جان، مال، عزت و آبرو، عقل اور دین کے

تحفظ میں محصور کر دیتے ہیں، مگر ایسا کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ مصالح مرسلہ یہ ہیں کہ منافع حاصل کیے جائیں اور مضرتیں دور کی جائیں ..... دنیا میں (جلب منفعت کی مثال) وہ معاملات اور سرگرمیاں ہیں جن میں عامۃ الناس کی بھلائی مضمر ہو، خواہ ان سے متعلق کوئی حد شرعی مقرر کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو اور دین میں (جلب منفعت کی مثال) وہ احوال و معارف، عادات اور زہد کی باتیں ہیں جن میں انسانوں کی بھلائی مضمر ہے جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔ جن لوگوں نے مصالح کو ان سزاؤں سے وابستہ کر دیا جو فساد کو دور رکھنے کے لیے مقرر کی گئی ہیں یا جو اموال یا جسم انسانی کو محفوظ رکھنے کے لیے مقرر کی گئی ہیں ان میں انھوں نے کوتاہی برتی ہے''۔ ۲۶

ڈاکٹر موصوف نے روایتی فہرست میں اضافہ کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''ایک خیال یہ بھی ہے کہ مقاصد کی روایتی فہرست پنج گانہ دین، جان، عقل، نسل اور مال میں خود اتنی وسعت ہے کہ بہت سے نئے مقاصد اسی فہرست میں داخل سمجھے جاسکتے ہیں۔ مثلاً عدل و انصاف دین میں اور ازالۂ غربت اور کفالت عامہ حفظ جان میں شامل سمجھے جاسکتے ہیں۔ ہمیں دو وجہوں سے اس فکر و سوچ سے اتفاق نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ، جیسا کہ ابن تیمیہ نے کہا ہے، مقاصد شریعت کے بیان میں تحفظ سے آگے بڑھ کر ترقی دینے اور بڑھوتری کو بھی شامل کرنا ضروری ہے۔ روایتی فہرست میں سارا زور دفع مضرت پر ہے، جلب منفعت کا پہلو دب گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ موجودہ عالمی اور قومی سطح کے مسائل میں ماحولیاتی تلوّث پر کنٹرول، کائنات کے قدرتی وسائل کا بچاؤ، عمومی اور کلی تباہی مچانے والے اسلحوں کے استعمال اور ان کی پیداوار پر پابندی اور موجودہ نیوکلیائی ہتھیاروں، نیز کیمیاوی اور حیاتیاتی اسلحوں کا تلف کیا جانا

اور اقوام عالم کے باہم امن و چین سے رہ سکنے کے دوسرے تقاضے پورے کرنے کے لیے یہ بہتر ہے کہ ان امور سے مناسبت رکھنے والی اسلامی تعلیمات کو اہمیت کے ساتھ پیش کیا جائے''۔۲۷

موصوف نے روایتی فہرست میں درج ذیل مصالح کے اضافہ کی تجویز رکھی ہے اور ان پر قرآن و حدیث سے دلائل دیے ہیں:

۱- انسانی عز و شرف، ۲- بنیادی آزادیاں، ۳- عدل و انصاف، ۴- ازالۂ غربت اور کفالت عامّہ، ۵- سماجی مساوات اور دولت و آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی ناہمواری کو بڑھنے سے روکنا، ۶- امن و امان اور نظم و نسق، ۷- بین الاقوامی سطح پر باہم تعامل و تعاون۔۲۸

مصالحِ دین اور عقل

احکامِ دین میں مصالح اور حکمتوں کی دریافت عقل کرتی ہے، لیکن بعض اوقات عقل کی بنیاد پر شریعت کا حکم بھی مستنبط کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ شریعت کا چوتھا ماخذ قیاس ہے، اس میں مسئلہ زیر بحث سے متعلق نص نہ ہونے کی وجہ سے عقل کی بنیاد پر شریعت کا حکم معلوم کیا جاتا ہے۔ جمہور فقہاء نے قیاس کو شریعت کی ایک اصل قرار دیا ہے۔۲۹ رسول کریم ﷺ نے متعدد مواقع پر عقل کی بنیاد پر دیے گئے مشوروں کو قبول فرمایا ہے۳۰ اسی طرح صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے قیاس و عقل سے شریعت کے احکام وضع کیے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

فأمّا تحقيق المناط فهو متفق عليه بين المسلمين وهو ان ينصّ الله على تعليق الحكم بمعنى عام كلّى، فينظر فى ثبوته فى آحاد الصور او أنواع العام۔۳۱

شرعی احکام میں متعلق و مطلوب حکم کی تحقیق کے بارے میں مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ شریعت میں حکم بمعنی عام کی تعلیق کی جائے گی (یعنی اس کے مصداق کی تحقیق کی جائے گی) اور افراد پر حکم کے اطلاق یا کسی خاص نوع میں اثبات کے لیے غور و فکر کیا جائے گا۔

امام موصوف آگے اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مختلف امور، جیسے انصاف کرنا، یا استقبال کعبہ یا جیسے شراب، جوا، مردہ، خون اور خنزیر کے حرام ہونے سے متعلق قرآن وحدیث میں عام حکم ہے، مگر شخص خاص سے متعلق طے کرنا کہ اس نے احکام کی خلاف ورزی کی یا نہیں، یا فلاں چیز حرام کردہ اشیاء کی تعریف میں آتی ہے یا نہیں؟ یہ سب باتیں قیاس کے ذریعہ ہی طے کی جاتی ہیں''۔۳۲

احکام پر عمل حکمتوں کے جاننے پر موقوف نہیں

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دین مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہے، مگر احکام دین پر عمل حکمتوں کے جاننے پر موقوف نہیں ہے، کیوں کہ عقل انسانی محدود ہے اور ضروری نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام حکمتوں کو جان لے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

أنه لا يحلّ ان يتوقّف فى امتثال أحكام الشرع اذا صحّت بها الرواية على معرفة تلك المصالح لعدم استقلال عقول كثير من الناس فى معرفة كثير من المصالح ولكون النبى ﷺ أوثق عندنا من عقولنا۔۳۳

احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں، جب کہ وہ صحیح روایت سے ثابت ہوجائیں، ان کی مصلحتوں کے جاننے تک توقف کرنا جائز نہیں۔ کیوں کہ بہت سے انسانوں کی عقلیں بہت سی حکمتوں کو بطور خود نہیں سمجھ سکتیں اور نبی کریم ؐ کی ذات ہمارے نزدیک ہماری عقلوں سے کہیں زیادہ قابل اعتماد ہے۔

خلاصۂ بحث

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اللہ رب العالمین کا عطا کردہ دین بندوں کے دینی و دنیاوی مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہے، اس لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی طریقہ انسانوں کے لیے مفید اور انجام کے اعتبار سے قابل اطمینان وموجب فلاح ونجات نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس دین کو ترک کرنا اور اس کو از کار رفتہ قرار دینا انسان کی نادانی پر مبنی ہے، جس کے سنگین نتائج ہوسکتے ہیں۔

حواشی ومراجع

۱ مثال کے طور پر دیکھیے محاسن الشریعۃ، امام محمد بن اسماعیل (م۳۶۵ھ)، محاسن الاسلام، ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن البخاری (م۳۴۶ھ)، الاعلام بمناقب الاسلام، ابوالحسن العامری (م۳۸۱ھ)، حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م۱۱۷۶ھ)۔

۲ منہاج السنۃ النبویۃ، ابن تیمیہ، تحقیق الدکتور محمد رشاد سالم، ادارۃ الثقافۃ والنشر، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، طبع اول، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء، ۱/ ۱۴۱۔ امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ بعض منکرین قیاس اور ایک دو دیگر لوگ احکام میں علّت وحکمت کا انکار کرتے ہیں، ورنہ جمہور امت اس کے قائل ہیں۔

۳ حوالہ سابق

۴ حوالہ سابق

۵ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۸/ ۹۷

۶ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، طبع اول ۱۳۸۳ھ، فیصل پبلیکیشنز دیوبند، ص۴-۵

۷ سورۂ البقرۃ: ۲۶۰

۸ حجۃ اللہ البالغۃ، ص۸

۹ مجموع فتاوی ابن تیمیہ، ۸/ ۴۳۵-۴۳۶

۱۰ الموافقات فی اصول الشریعۃ، ابواسحاق الشاطبی، المطبعۃ الرحمانیۃ مصر، ۲/ ۶

۱۱ اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابن القیم الجوزیۃ، دارالجیل للنشر والتوزیع والطباعۃ، بیروت، ۳/ ۳

۱۲ المستصفیٰ فی علم الاصول، حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی، المطبعۃ

الامیریۃ، بولاق، مصر، ۱۳۲۴ھ، ۱/ ۲۸۶

۱۳ امام شاطبی کے ذکر کردہ مقاصدی قواعد- ایک تجزیاتی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالرحمٰن ابراہیم کیلانی، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ص ۴۳، بحوالہ الإحکام للآمدی، ۳/ ۲۷۹

۱۴ حوالہ سابق، بحوالہ مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ، طاہر بن عاشور، ص ۵۱

۱۵ حوالہ سابق، بحوالہ مقاصد الشریعۃ ومکارمہا، علال الفاسی، ص ۳

۱۶ حوالہ سابق، ص ۴۴، بحوالہ المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ، ڈاکٹر یوسف العالم، ص ۷۹

۱۷ الموافقات فی اصول الشریعۃ، ۲/ ۸

۱۸ صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب لایعذب بعذاب اللہ

۱۹ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی، ۶/ ۶۴

۲۰ مسند احمد، ۲/ ۱۶۶، ابوداؤد، کتاب الحدود، باب اذا تتابع فی شرب الخمر، ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ

۲۱ المستصفیٰ فی علم الاصول، الغزالی، ۱/ ۲۸۷-۲۸۸، دیکھیے بحث الاستصلاح

۲۲ الموافقات فی اصول الشریعۃ، ۲/ ۸

۲۳ حوالہ سابق، ۲/ ۱۰-۱۱، المستصفیٰ، ۱/ ۲۸۹-۲۹۰

۲۴ الموافقات، ۱/ ۱۱-۱۲

۲۵ حوالہ سابق، ۲/ ۳۷-۳۸

۲۶ مقاصد شریعت، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ص ۳۰، بحوالہ مجموعۃ الرسائل والمسائل لابن تیمیہ، جلد ۴-۵، ص ۱۷۴-۱۷۵

۲۷ حوالہ سابق، ص ۳۸-۳۹

۲۸ حوالہ سابق، ص ۳۹

۲۹ الموسوعۃ الفقہیۃ، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ، کویت، ۳۴/ ۹۱

۳۰ مثال کے طور پر آپؐ نے بعض جنگوں میں میدان جنگ کے انتخاب میں بعض صحابہ

کے مشورے کو قبول فرمایا۔ اسی طرح آپؐ نے ایک صحابی کے مشورے سے انگوٹھی میں محمد رسول اللہؐ کا نام کندہ کرایا اور اس کو مہر کے طور پر استعمال کیا۔ اذان کا طریقہ بھی مشورے کی بنیاد پر طے کیا گیا، پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت ایک ضرر کی وجہ سے کی گئی۔ جمعہ کے دن غسل پسینے سے پیدا ہونے والی بدبو سے بچنے کے لیے مشروع کیا گیا، وغیرہ۔

۳۱ منہاج السنۃ النبویۃ، ۶/۴۷۴

۳۲ حوالہ سابق،

۳۳ حجۃ اللہ البالغۃ، ص ۶

☆☆☆

﴿معرکۂ اسلام و جاہلیت﴾

مولانا صدرالدین اصلاحی

اسلام کی بصیرت افروز آگہی کے لیے جاہلیت سے واقفیت ناگزیر ہے۔

☆عقائد، عبادت، اخلاقیات اور زندگی کے تمام معاملات میں جاہلیت اور اسلام کے درمیان اصولی فرق کیا ہے؟

☆دونوں کے درمیان فطری اور مسلسل کش مکش کا انداز کیا ہے؟

☆جاہل عناصر کس طرح اسلامی تصورات میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں؟

ان اہم پہلوؤں پر اس کتاب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مصنف کے گہر بار قلم نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ صفحات: ۲۱۶ قیمت: -/۸۵ روپئے

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر اسرار احمد خان نے انتہائی معیاری اور دلکش اسلوب میں Islamic Civilization in its Real Prespective کے نام سے کیا ہے۔

آفسیٹ کی عمدہ طباعت صفحات: ۱۳۷ قیمت: -/۹۰ روپئے

ملنے کے پتے: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳، علی گڑھ-۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

حلال اور حرام پرندے

جناب حافظ مبشر حسین

پرندے حیوانات کی ایک مشہور و معروف قسم ہیں۔ یہ اپنے پروں (Feathers) کی وجہ سے دیگر تمام حیوانات سے الگ شناخت رکھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض پرندے اپنے پروں سے اڑ نہیں سکتے، تاہم ان کی بڑی تعداد ان کے ذریعے اڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔[۱]

اس مقالہ میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ فقہاء نے پرندوں کی حلّت و حرمت کے سلسلہ میں کیا اصول و قواعد وضع کیے ہیں؟ اور ان کی روشنی میں کیا آراء قائم کی ہیں؟

حلت و حرمت کے اعتبار سے پرندوں کی قسمیں

حلت و حرمت کے اعتبار سے فقہاء نے پرندوں کی تین قسمیں کی ہیں :

۱۔ شکاری پرندے

۲۔ مردار خور پرندے

۳۔ غیر شکاری اور غیر مردار خور پرندے

پہلی قسم: شکاری پرندے

شکاری پرندے، جو اپنے پنجوں سے دوسرے پرندوں یا جانوروں کا شکار کرتے ہیں، جیسے باز، شاہین، چیل، عقاب وغیرہ، حدیث میں ان کے لیے ذُو مِخْلَب کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ مِخْلَب کا لغوی معنیٰ ناخن ہے، خواہ یہ ناخن جانور کا ہو یا پرندے کا اور خواہ وہ جانور اور پرندہ اس ناخن سے شکار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔[۲] لیکن فقہی اصطلاح میں ذُو مِخْلَب سے مراد وہ شکاری یا وحشی پرندہ ہے جو اپنے ناخن سے شکار کرتا

ہے، یعنی درندہ صفت پرندہ۔[۳] اس لیے مرغ، چڑیا، کبوتر، اسی طرح وہ پرندے جو پنجے سے شکار نہیں کرتے، انہیں (فقہی اصطلاح میں) ذو مخلب نہیں کہا جاتا۔[۴]

دوسری قسم: مردار خور پرندے

وہ غیر شکاری پرندے، جن کی خوراک کا بڑا حصہ مردار پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے نَسر[۵] (عقاب سے بڑا ایک سیاہ پرندہ)، اور گدھ وغیرہ۔[۶]

تیسری قسم: غیر شکاری اور غیر مردار خور پرندے

وہ پرندے جو نہ شکار کرتے ہیں اور نہ ان کی خوراک کا بڑا حصہ مردار پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے مرغی، بطخ، کبوتر، فاختہ، چڑیا وغیرہ۔

جمہور فقہاء کے ہاں پرندوں سے متعلق بحث انہی تین قسموں کے گرد گردش کرتی ہے، البتہ شوافع اور حنابلہ نے اس سلسلہ میں دو اور قسمیں بھی کی ہیں، یعنی ایک تو وہ پرندے جنہیں شریعت میں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یا انہیں قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور دوسرے وہ پرندے جو خبیث ہیں۔

آئندہ سطور میں ان تمام قسموں کی حلّت وحرمت سے بحث کی جائے گی۔

۱۔ شکاری پرندے

شکاری پرندوں کی حلت وحرمت کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء، یعنی شافعیہ[۷] حنابلہ[۸] اور ظاہریہ[۹] کی رائے یہ ہے کہ شکاری پرندے، جنھیں حدیث میں ذو مخلب (یعنی پنجوں سے شکار کرنے والے) کہا گیا ہے، وہ سب حرام ہیں۔ حنفیہ[۱۰] کے نزدیک یہ سب مکروہ تحریمی ہیں۔

بعض اہل علم اُلّو کو شکاری پرندوں میں شمار نہیں کرتے[۱۱] مگر علم حیوانیات کی رو سے یہ بھی درندہ صفت پرندوں (Predatory Birds) میں سے ہے اور جس حیوانی گروپ (Order) سے تعلق رکھتا ہے اسے Strigi formes کہا جاتا ہے۔[۱۲]

حرمت کے قائل ان فقہاء نے اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل احادیث

سے استدلال کیا ہے:

عن ابن عباس قال نهى رسول الله عن كل ذى ناب من السباع وعن كل ذى مخلب من الطير۔[۱۳]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے درندوں میں سے کچلی والوں اور پرندوں میں سے پنجے والوں (کے کھانے) سے منع فرمایا ہے۔

عن جابر قال حرّم رسول الله يعنى يوم خيبر الحمر الانسية ولحوم البغال وكل ذى ناب من السباع وذى مخلب من الطير۔[۱۴]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے جنگ خیبر کے موقع پر پالتو گدھوں اور خچروں کے گوشت اور درندوں میں سے ہر کچلی والے اور پرندوں میں سے ہر پنجہ والے (کے کھانے) کو حرام قرار دیا ہے۔

مالکیہ کی مشہور رائے یہ ہے کہ تمام پرندے حلال ہیں، خواہ وہ جلالہ ہوں یا پنجے سے شکار کرنے والے یا غیر شکاری۔[۱۵] البتہ فقہاء مالکیہ کی ایک جماعت کے نزدیک شکاری پرندے حرام ہیں اور امام مازری[۱۶] ان کے مکروہ تنزیہی ہونے کے قائل ہیں۔[۱۷]

مباح قرار دینے والے ان فقہاء نے اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُه اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّه رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (الانعام: ۱۴۵)

اے نبی ﷺ ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو، الّا یہ کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں (کوئی چیز ان میں سے کھالے) بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ وہ حد ضرورت سے تجاوز کرے تو یقیناً تمہارا رب درگزر سے کام لینے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو چیزیں اس آیت میں شمار نہیں کی گئیں انہیں حرام قرار نہیں دیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ قرطبیؒ اس سلسلہ میں ان مالکی فقہاء کا موقف نقل کرتے ہوئے، جنہوں نے اس آیت سے اپنے حق میں استدلال کیا ہے، لکھتے ہیں :

ولهذا قلنا ان لحوم السباع وسائر الحيوان ما سوى الانسان و الخنزير مباح۔[۱۸]	اسی لیے ہم (مالکی) کہتے ہیں کہ انسان اور خنزیر کے علاوہ باقی تمام درندوں اور حیوانات کا گوشت مباح ہے۔

اس مسئلہ میں راجح موقف جمہور فقہاء کا معلوم ہوتا ہے، یعنی یہ کہ شکاری پرندے حرام ہیں، اس لیے کہ ان فقہاء نے شکاری پرندوں کی حرمت کے بارے میں جو احادیث پیش کی ہیں وہ درجۂ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں اور ان میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سورۃ الانعام کی آیت، جسے مالکی فقہاء نے اپنے موقف کے لیے بنیاد بنایا ہے، سے زائد حکم ہونے کی وجہ سے قابل قبول ہے۔ علاوہ ازیں سورۃ الانعام مکی ہے اور اس وقت تک جو چیزیں حرام تھیں انہیں وہاں بیان کیا گیا ہے، جب کہ شکاری پرندوں کی حرمت کی احادیث مدنی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ گویا پرندوں کی حرمت کا حکم بعد میں آیا ہے۔ لہٰذا اس میں اور آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں ایک موقف یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے متعین چیزوں کے بارے میں سوال کیا تھا۔ سورۃ الانعام کی آیت میں انہی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس میں تمام محرمات کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔[۱۹]

۲۔ مردار خور پرندے

جمہور فقہاء کے نزدیک وہ پرندے، جو مردار خور ہیں یا ان کی خوراک کا بڑا حصہ مردار پر مشتمل ہے، حرام ہیں۔ فقہاء حنفیہ کے نزدیک یہ تمام پرندے مکروہ تحریمی کے حکم میں ہیں۔ واضح رہنا چاہیے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک پرندوں کی حلت وحرمت کے حوالے سے ان کے نام یا حجم یا رنگ معتبر نہیں ہیں، بلکہ ان کی غذا کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جو غیر شکاری پرندہ اغلباً مردار کھائے وہ مکروہ تحریمی ہے۔ جو مردار اور غیر مردار دونوں

طرح کی غذا کھائے وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔اور جو مردار نہ کھائے وہ متفقہ طور پر حلال ہے۔۲۰

شوافع اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے کہ مردار خور پرندے خبیث ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔۲۱

فقہ مالکی میں مشہور رائے یہ ہے کہ تمام پرندے حلال ہیں، خواہ وہ 'جَلَّالَۃ' (گندگی کھانے والے) ہوں یا پنجے سے شکار کرنے والے غیر شکاری۔۲۲

مردار خور پرندوں کے بارے میں راجح موقف جمہور فقہاء کا ہے کہ یہ حرام ہیں۔اس لیے کہ جو پرندہ اغلباً مردار خور ہو اس کا شمار طیبات کے بجائے خبائث میں ہوگا۲۳ اور خبیث چیزیں قرآن کی اس آیت کے عموم کی رو سے حرام ہیں:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (الاعراف:۱۵۷)

(اور وہ پیغمبر ﷺ ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔

کوے کا فقہی حکم

کوے کو عربی میں غُراب، غربان، غُداف اور فارسی میں زاغ کہا جاتا ہے، جب کہ علم حیوانیات میں اس کی مختلف اقسام کو Corvus, Crow, Raven, Rook, Jackdaw سے موسوم کیا جاتا ہے۔کوے کی بہت سی قسمیں ہیں۔ایک قسم کو غُراب الأبقع یا غُراب البَین (Corvus Albus)، دوسری کو غُراب الزَّرع یا غُراب الزَّیتُون (Jackdaw/Corvus Monedula) اور تیسری کو غداف (Corvus Frugilegus) کہا جاتا ہے۔۲۴

حلت وحرمت کے اعتبار سے فقہاء حنفیہ کے نزدیک کوے کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ایک وہ جو مردار خور ہے۔اسے غُراب الأبقع ۲۵ کہا جاتا ہے۔یہ حرام ہے۔

۲۔ دوسرا وہ جو مردار نہیں کھاتا، بلکہ دانا چگتا ہے۔یہ حلال ہے۔

۳۔ تیسرا وہ جو دانا اور مردار دونوں کھاتا ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی حلال

ہے، کیوں کہ یہ مرغی کی طرح ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ زیلعی (صاحبِ تبیین) نے ابوحنیفہؒ کی رائے کو صحیح قرار دیا ہے۔۲۶

شوافع کے نزدیک بھی کوے کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ غُراب الأبقع۔ یہ حرام ہے۔

۲۔ بڑا سیاہ کوا۔ اس کے بارے میں شافعیہ کے دو قول ہیں: ایک اباحت کا اور دوسرا حرمت کا۔ موخر الذکر قول ان کے ہاں صحیح شمار ہوتا ہے۔

۳۔ چھوٹا سیاہ کوا، جسے غُراب الزَّرع (کھیت کا کوا) اور زاغ بھی کہا جاتا ہے۔ بعض دفعہ اس کی چونچ اور ٹانگیں سرخ ہوتی ہیں۔ اس کے بارے میں بھی حرمت اور اباحت دونوں آراء پائی جاتی ہیں، لیکن صحیح رائے اباحت کی ہے۔۲۷

حنابلہ کے نزدیک بھی کوے کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ غُراب البَین۔ یہ کووں میں سب سے بڑی قسم کا کوا ہے۔ یہ حرام ہے۔

۲۔ غُراب الأبقع۔ یہ قسم بھی حرام ہے۔

۳۔ غُراب الزَّرع۔ یہ حلال ہے، کیوں کہ اس کی خوراک دانا ہے۔۲۸

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ (فقہاء مالکیہ کے علاوہ) ائمہ ثلاثہ غراب الابقع (مردار خور کوے) کی حرمت اور غراب الزرع (دانہ چگنے والے کوے) کی حلت پر متفق ہیں۔ البتہ وہ کوا جو مردار اور دانا دونوں چیزیں کھاتا ہے، اس کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ فقہاء ظاہریہ کے نزدیک ہر طرح کا کوا حرام ہے۔۲۹

یہاں یہ واضح رہے کہ علم حیوانیات کی رو سے کوے اور ان سے ملتی جلتی خصوصیات کے حامل بعض اور پرندوں کو ایک ہی فیملی یعنی Corvidae میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس فیملی میں درج ذیل قسموں (Species) کے پرندے شامل ہیں:

۱۔ تمام کوے (Crows)

۲۔ Mag Pies

۳۔ Jays

۴۔Tree Pies ۳۰؎

کووں کی بے شمار قسمیں ہیں۔ مثلاً Carrion Crows, Jungle Crows, Raven, وغیرہ۔ ان میں سے اکثر مکمل طور پر سیاہ ہوتے ہیں، البتہ ان کی گردن سلیٹی مائل ہوتی ہے۔ لیکن بعض کی گردن خاکی رنگ کی ہوتی ہے۔ اکثر کی چونچ سیاہ، مگر بعض کی سرخ اور بعض کی زرد ہوتی ہے۔ اس قسم کے کووں کو Chough کہا جاتا ہے۔ کووں کے علاوہ اس فیملی سے تعلق رکھنے والے دوسرے پرندے، خاص کر Tree Pies اپنے مختلف رنگوں کی وجہ سے خوبصورتی میں مشہور ہیں۔ کووں سمیت اس فیملی کے اکثر پرندے عام طور پر نجاست خور ہوتے ہیں، بعض گندگی کے ساتھ دانے بھی کھاتے ہیں اور بعض دانے اور کیڑے مکوڑے ہی کھاتے ہیں، گندگی نہیں کھاتے، جیسے Chough۔ ۳۱؎

کوے کو مطلقاً حرام کہنے والوں نے درج ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال خمس من الدواب كلّهن فاسق يقتلن فى الحرم :الغراب والحداة والعقرب والفارة والكلب العقور۔ ۳۲؎

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزیں فاسق ہیں، انہیں حرم میں بھی قتل کر دیا جائے وہ یہ ہیں: کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا درندہ۔ ۳۳؎

عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ خمس من الدواب من قتلهن وهو محرم فلا جناح عليه : العقرب والفارة والكلب العقور والغراب والحداة۔ ۳۴؎

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ جانور ایسے ہیں کہ جو شخص حالت احرام میں بھی انہیں قتل کر دے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ وہ یہ ہیں: بچھو، چوہا، کاٹنے والا درندہ، کوا اور چیل۔

ان احادیث سے ایک تو یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ان میں کوے کا مطلقاً ذکر ہے اور اسے فاسق کہا گیا ہے۔ لہٰذا ہر طرح کا کوا حرام ہے۔ اور اس کے فاسق ہونے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خبائث میں سے ہے۔ دوسرا استدلال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ان

میں جن چیزوں کے قتل کا حکم دیا گیا ہے وہ اگر حلال ہوتیں تو ان کے قتل کی بجائے ان کے ذبح کی بات کی جاتی، کیوں کہ حلال جانوروں کو ذبح کرنے کی بجائے قتل کرنا جائز نہیں ہے۔۳۵

بعض احادیث میں کوے کو 'غُراب الأبقع' کے ساتھ مقید کر کے بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

خمس فواسق یقتلن فی الحل و الحرم: الحیة والغراب الابقع والفارة والکلب العقور والحُدَیَّا۔۳۶	پانچ چیزیں فاسق ہیں، انہیں قتل کر دیا جائے خواہ حرم میں ہوں یا اس سے باہر۔ وہ یہ ہیں: سانپ، غُراب الأبقع، چوہا، کاٹنے والا درندہ اور چیل۔

اسی بنا پر بعض فقہاء کوے کی دیگر اقسام کو حلال کہتے ہیں۔ وہ صرف غراب ابقع کو حرام قرار دیتے ہیں اور غُراب الأبقع سے مراد وہ کوا ہے جس میں سیاہ رنگ کے ساتھ سفید رنگ بھی ملا ہوا ہو، یا پھر اس کے سینہ کا رنگ سفید ہو۳۷ مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے کوے مردار خور ہوتے ہیں۔ لہٰذا صرف وہی کوے حرام ہیں جو مردار خور ہیں۔ اور ان پر قیاس کرتے ہوئے وہ پرندے بھی حرام ہیں جو مردار خور ہیں۔ عَقعَق (کبوتر یا کوے جیسا ایک پرندہ۳۸) میں اختلاف ہے، اس بنیاد پر کہ یہ اغلباً نجاست خور ہے یا نہیں۔۳۹

جو کوا مردار کھاتا ہو اس کا شمار طیبات کے بجائے خبائث میں ہوگا اور خبیث چیزیں سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ کے عموم کی رُو سے حرام ہیں۔۴۰

گزشتہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ کوے کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جو مردار خور ہے۔ دوسرا وہ جو مردار نہیں کھاتا، بلکہ دانا چگتا ہے۔ تیسرا وہ جو دانا اور مردار دونوں کھاتا ہے۔ پہلی قسم کے بارے میں مالکیہ کے علاوہ سبھی فقہاء کا موقف یہ ہے کہ وہ حرام ہے، کیوں کہ وہ گندگی کھانے والا ہے، اس لیے اس کا شمار خبائث میں ہوگا۔ یہی رائے قوی ہے۔ دوسری قسم کے بارے میں ظاہریہ کے علاوہ باقی سبھی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ حلال ہے اور یہی رائے قوی ہے۔ کیوں کہ اس کا شمار نہ تو شکاری پرندوں میں ہوتا ہے

نہ مردار خور ہیں، لہٰذا اسے حلال قرار دیا جانا چاہیے۔ تیسری قسم جمہور فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے۔

۳۔ غیر شکاری اور غیر مردار خور پرندے

فقہاء حنفیہ کے نزدیک وہ سب پرندے جو نہ شکار کرتے ہیں اور نہ ان کی خوراک کا بڑا حصہ مردار پر مشتمل ہوتا ہے، حلال ہیں، خواہ وہ پالتو ہوں یا جنگلی، جیسے کبوتر (ہر قسم کا) چڑیا (ہر قسم کی) عقعق وغیرہ۔[۴۱]

فقہاء مالکیہ کے ہاں زیر بحث قسم سے تعلق رکھنے والے سب پرندے، ان کے مشہور قول کے مطابق، حلال ہیں، خواہ وہ جَلّالَہ ہی کیوں نہ ہوں، البتہ بعض پرندوں، مثلاً ہدہد، خطّاف[۴۲] اور صُرَد[۴۳] وغیرہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہیں۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباسؓ سے مروی یہ حدیث ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن قتل اربع من الدواب: النملة والنحلة والھدھد والصُّرَد۔[۴۴]

نبی کریم ﷺ نے چار قسم کے حیوانات کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے: چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صُرَد۔[۴۵]

فقہاء شافعیہ[۴۶] اور حنابلہ[۴۷] کے نزدیک بھی اس قسم سے تعلق رکھنے والے پرندے حلال ہیں؛ البتہ وہ اس سلسلہ میں یہ اصول بھی بیان کرتے ہیں کہ شارع نے جس جانور یا پرندے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، یا جس کے قتل سے منع کیا ہے، مثلاً شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد وغیرہ، وہ حرام ہے اور وہ جانور بھی حرام ہے جو خبیث ہو۔ ان کے علاوہ باقی سب پرندے حلال ہیں۔ لیکن ان قاعدوں کے اطلاق و تطبیق کی صورتوں میں ان فقہاء میں جزوی اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً:

۱۔ طوطا اور مور شوافع کے ہاں حرام ہیں اس لیے کہ یہ گندی خوراک کھاتے ہیں۔ لیکن حنابلہ چونکہ اس بات سے اتفاق نہیں کرتے اس لیے وہ ان دونوں کو حلال کہتے ہیں۔[۴۸]

۲۔ اسی طرح اَخیل، جسے شقراق بھی کہا جاتا ہے، حنابلہ کے ہاں خبیث پرندہ ہے،

جب کہ شوافع اسے طیب پرندہ قرار دیتے ہیں۔۴۹

۳۔ ابوزَرِیق، جسے درباب/زریاب، اور قیق بھی کہا جاتا ہے۵۰ اسے فقہاء حنابلہ ۵۱ کے ہاں خبیث ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے، جب کہ شوافع ۵۲ کا رجحان اس کے طیب ہونے کی طرف ہے۔

حواشی ومراجع

1- Grzimek's Animal Life Encyclopedia, 8/3,8.

۲ الفیر وزآبادی مجدالدین، القاموس المحیط، دارالمامون مصر، ۱۳۵۷ھ، ۱۹۶/۱؛ ابن منظور، لسان العرب، دارصادر بیروت، ۳۶۳/۱

۳ الزیلعی، عثمان بن علی بن محجن، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، دالکتاب الاسلامی القاہرۃ، ۱۳۱۳ھ، ۲۹۴/۵۔ علم حیوانیات کی رو سے درندہ صفت پرندوں کو Raveners Predatory Birds کہا جاتا ہے۔ (جامع اردو انسائیکلوپیڈیا (حصہ سائنسی علوم)، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ۲۹۶/۶)۔ تاہم یہ اصطلاح زیادہ معروف نہیں ہے، اس کی جگہ Prey Birds یا Birds of Prey کی اصطلاح زیادہ مشہور ہے۔

۴ ابن حزم، المحلیٰ، دارالفکر بیروت، س ن، ۴۰۵/۷۔

۵ نسر (Griffon Vulture) کی تفصیل کے لیے دیکھیے: امین معلوف امین باشا، معجم الحیوان، ہدیۃ المقتطف القاہرۃ، ۱۹۳۲ء، ص ۲۶۰۔

۶ دیکھیے: ابن عابدین، محمد امین، ردالمحتار علی الدر المختار المعروف بحاشیہ ابن عابدین، دارالفکر بیروت، ۲۰۰۰ء، ۳۰۵/۶۔

۷ النووی، محی الدین بن شرف، المجموع شرح المہذب، دارالفکر بیروت، س ن، ۱۷/۹، ۲۲؛ النووی، روضۃ الطالبین وعمدۃ المتقین، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ۲۷۱/۳؛ المحلی، جلال الدین، شرح المنہاج، المطبعۃ العامرۃ القاہرۃ، ۱۲۹۴ھ، ۲۷۲/۲

۸ المغنی والشرح الکبیر، ۶۶/۱۱۔

۹ المحلیٰ، ۳۹۸/۷۔

۱۰ حاشیۃ ابن عابدین، ۳۰۴/۶؛ تبیین الحقائق، ۲۹۴/۵۔

۱۱ حاشیہ ابن عابدین، ۳۰۶/۶؛ الموسوعۃ الفقہیۃ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ الکویت، ۱۴۲۷ھ، ۱۳۷/۵۔

12- Grzimek's Animal Life Encyclopedia, 'Gale Group' New York, 2003 (2nd ed.) 9/331.

۱۳ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر، ۱۹۳۴ء

۱۴ جامع ترمذی، کتاب الاطعمۃ، باب ما جاء فی کراھیۃ کل ذی ناب وذی مخلب، ۱۴۷۸

۱۵ الدسوقی، محمد بن احمد بن عرفہ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر علی مختصر خلیل، دارالفکر بیروت، س ن، ۱۹۷/۲، ۱۹۹؛ الباجی، ابوالولید سلیمان بن خلف، المنتقی شرح الموطا، مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۳۳۲ھ، ۱۳۰/۳؛ محمد بن یوسف بن ابی القاسم، التاج والاکلیل شرح مختصر خلیل، دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، ۲۲۹/۳۔

۱۶ امام مازریؒ محمد بن علی (۵۳۶ھ) مشہور مالکی فقیہ ہیں۔ آپ کی ایک اہم تصنیف صحیح مسلم کی شرح 'المعلم بفوائد مسلم' ہے۔ (الاعلام، ۲۷۷/۶)۔

۱۷ الرھونی، محمد بن احمد، حاشیۃ الرھونی، المطبعۃ الامیریۃ مصر، ۱۳۰۶ھ، ۳۹/۳۔

۱۸ القرطبی، ابوعبداللہ، الجامع لأحکام القرآن، دارعالم الکتب الریاض، ۱۴۲۳ھ، ۱۱۶/۷۔

۱۹ تفصیل کے لیے دیکھیے: الجامع لأحکام القرآن، ۱۱۷/۷، ۱۱۸؛ المجموع شرح المھذب، ۱۷/۹؛ العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، دارنشر الکتب الاسلامیۃ لاہور، س ن، ۶۵۶/۹، ۶۵۷؛ النووی، محی الدین بن شرف، المنھاج شرح صحیح مسلم، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ، ۸۳/۱۳

۲۰ تبیین الحقائق، ۲۹۵/۵؛ الکاسانی، ابوبکر مسعود بن احمد، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دارالکتاب العربی بیروت، ۱۹۸۲ء، ۴۰/۵

۲۱ المجموع، ۹/۱۹؛ ابن قدامۃ، عبداللہ بن احمد، المغنی، مطبعۃ المنار، مصر، ۱۳۴۸ھ، ۱۱/۱۷

۲۲ حاشیۃ الدسوقی، ۲/۱۹۷، ۱۹۹؛ المنتقی، ۳/۱۳۰؛ التاج والاکلیل شرح مختصر خلیل، ۳/۲۲۹۔

۲۳ تبیین الحقائق، ۵/۲۹۵۔ المغنی، ۱۱/۶۸

۲۴ معجم الحیوان، ص ۴۷، ۱۳۵۔ نیز دیکھیے: Grzimek's Animal Life Encyclopedia, 11/511; T.J. Roberts, The Birds of Pakistan, Oxford University Press, Oxford, 1919, 2/432, 434.

۲۵ 'غُراب الابْقَع' سے مراد وہ کوا ہے جس میں سیاہ رنگ کے ساتھ سفید رنگ بھی ملا ہوا ہو، یا اس کا سینہ سفید ہو۔ (لسان العرب، ۸/۱۷)۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوا نجاست اور مردار خور ہوتا ہے، (تبیین الحقائق، ۵/۲۹۵؛ الموسوعۃ الفقہیۃ، ۵/۱۳۷)۔

۲۶ بدائع الصنائع، ۵/۴۰؛ تبیین الحقائق، ۵/۲۹۵؛ الفتاویٰ الھندیۃ، المطبعۃ العامرۃ القاہرۃ، ۱۲۷۲ھ، ۵/۲۵۵

۲۷ المجموع، ۹/۱۸، ۲۲، ۲۳۔

۲۸ المغنی، ۱۱/۱۷۔

۲۹ المحلیٰ، ۷/۴۰۴۔

30- Grzimek's Animal Life Encyclopedia, 11/503; Birds of Pakistan, 2/415.

31- Birds of Pakistan, 2/432,434; Grzimek's Animal Life Encyclopedia, 11/511.

۳۲ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب مایقتل المحرم من الدواب، ۱۸۲۹ء؛ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ماینبد للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب فی الحل والحرم، ۱۱۹۸ء

۳۳ واضح رہے کہ یہاں 'الکلب العقور' کا ترجمہ 'کاٹنے والا درندہ' اس کے وسیع تر مفہوم

کے پیش نظر کیا گیا ہے، کیوں کہ عربی لغت میں 'کلب' کے لفظ میں ہر کاٹنے اور چیر پھاڑ کرنے والا درندہ شامل سمجھا جاتا ہے، (دیکھیے: المعجم الوسیط، ۷۹۴/۲)۔

۳۴ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب خمس من الدواب فواسق، ۳۳۱۵، ص ۶۷۴؛ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب فی الحل والحرم

۳۵ المحلیٰ، ۴۰۴/۷، ۴۰۵؛ المغنی، ۶۸/۱۱۔

۳۶ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب فی الحل والحرم، ۱۱۹۸ء

۳۷ لسان العرب، ۱۷/۸؛ تبیین الحقائق، ۲۹۵/۵۔

۳۸ عَقْعَق (Magpie. Pica Pica) جو کبوتر یا کوے جتنا ہوتا ہے، دم لمبی ہوتی ہے اور سیاہ وسفید رنگ ہوتا ہے (معجم الحیوان، ص ۱۵۵)۔ علم حیوانیات میں اسے کوؤں ہی کی فیملی میں شمار کیا جاتا ہے۔ (Grzimek's Animal Life Encyclopedia, 11/503; Birds of Pakistan, 2/415.)۔ یہ جمہور فقہاء کے نزدیک حرام اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے، جبکہ امام ابو یوسف اسے مکروہ تحریمی شمار کرتے ہیں۔ فقہاء حنفیہ کے نزدیک صحیح قول اس کی حلّت کا ہے، کیوں کہ یہ دانہ اور مردار دونوں چیزیں کھاتا ہے، اس لیے اس کا شمار خبائث میں نہیں ہوتا۔ (بدائع الصنائع، ۴۰/۵)۔

۳۹ تبیین الحقائق، ۲۹۵/۵؛ الموسوعۃ الفقہیۃ، ۱۳۷/۵۔

۴۰ تبیین الحقائق، ۲۹۵/۵؛ المغنی، ۶۸/۱۱۔

۴۱ بدائع الصنائع، ۳۹/۵، ۴۰۔

۴۲ اس پرندے کو Martin کہا جاتا ہے اور اس کی دو اقسام (Ganuses) ہیں یعنی Riparia اور Delichon۔ (معجم الحیوان، ص ۱۶۰)۔

۴۳ جسے Shrike کہا جاتا ہے، (معجم الحیوان، ص ۲۲۷)۔

۴۴ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی قتل الذر، ۵۲۵۸

۴۵ حاشیۃ الرھونی، ۳۸/۳؛ حاشیۃ الدسوقی، ۱۳۵/۲۔

۴۶ المجموع، ۱۸/۹، ۱۹۔

۴۷ الرحیبانی، مصطفیٰ السیوطی، مطالب اولی النھیٰ شرح غایۃ المنتھیٰ، المکتب الاسلامی،

بیروت، ۱۹۶۱ء، ۳۳۱/۶

۴۸ علم الحیوانیات کی رو سے حنابلہ کی بات قوی ہے، اس لیے کہ طوطا پھل، بھیج اور سبزیاں وغیرہ کھانے والا پرندہ ہے، (دیکھیے: The Birds of Pakistan, 1/435; Grzimek's Animal Life Encyclopedia, 9/275.)۔ اسی طرح علم الحیوانیات میں مور اور مرغی کو ایک ہی گروپ میں رکھا جاتا ہے، (دیکھیے: معجم الحیوان، ص۱۸۵؛ Grzimek's Animal Life Encyclopedia, 8/399.)۔ اور مور کی غذا تقریباً وہی ہے جو مرغی کی ہوتی ہے۔ (دیکھیے: The Birds of Pakistan, 1/247)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بارے میں وہی حکم ہونا چاہیے جو مرغی کے بارے میں ہے۔

۴۹ یہ ہدہد کی طرح کا سبز رنگ کا ایک پرندہ ہے۔ اسے Roller کہا جاتا ہے۔ یہ حشرات خور پرندہ ہے۔ چنانچہ یہ زیادہ تر چوہے، چھپکلیاں اور کیڑے مکوڑے کھاتا ہے۔ اسے Blue Jay بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس کی بعض قسموں میں نیلا جبکہ زیادہ قسموں میں سبز رنگ غالب ہوتا ہے، (معجم الحیوان، ص۲۲۱۔ نیز: The Birds of Pakistan' 1/528)۔

۵۰ کبوتر یا کوے جتنا سرخی مائل سیاہ رنگی اور زرد، سیاہ اور سفید رنگی دھاری دار پروں اور سیاہ دم والا پرندہ، جسے Jay کہا جاتا ہے، (معجم الحیوان، ص۱۱۲، ۱۳۵)۔ علم حیوانیات میں اسے کوؤں کی فیملی میں شمار کیا جاتا ہے، (دیکھیے: Grizmek's Animal Life' 11/503.)۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پرندہ گوشت خور بھی ہے۔ اور یہ کوے اور شرقراق/شقراق کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ (معجم الحیوان، ص۱۳۵)۔ شقراق کبوتر کے سائز کا پرندہ ہے۔ اس میں سبز، سیاہ، سرخ اور زرد رنگوں کا ملاپ ہوتا ہے، البتہ سبز رنگ غالب ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس میں اور اَخیل میں کوئی فرق نہیں۔ (معجم الحیوان، ص۲۱۰، ۲۱۱)۔

۵۱ مطالب اولی النھیٰ، ۶/۳۱۴، ۳۱۵؛ المغنی، ۱۱/۶۹؛ الموسوعۃ الفقہیۃ، ۵/۱۳۸۔

۵۲ المجموع، ۹/۱۸؛ شرح المنہاج، ۲/۲۷۲

☆☆☆

تعارف وتبصرہ

عقلیاتِ قرآن کریم مصنفہ: ڈاکٹر فاطمہ اسماعیل مصری
مترجم: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

ناشر: ادارۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، ۲۰۱۰ء، صفحات: ۴۲۸، قیمت: درج نہیں

عصر حاضر کے بعض مستشرقین اور دیگر معترضین نے قرآن کریم پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ آزادانہ عقلی بحث ونظر کی راہ میں رکاوٹ ہے، اس کی تعلیمات جامد اور قوانین بے لچک ہیں، جو انسانی عقل کو پابندِ سلاسل کرتے ہیں۔ اس کا یہ رویّہ اس کے پیروکاروں کو عقلی جمود اور فکری پس ماندگی کی طرف لے جاتا ہے اور وہ سائنسی ترقی کے میدان میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ چند صدیوں میں مسلمانوں کے علمی انحطاط اور سائنسی تنزّل کے کچھ دیگر اسباب ہیں، اس کو قرآن سے جوڑنا قطعی غلط ہے۔ قرآن وہ واحد الہامی کتاب ہے، جس نے کھلے الفاظ میں اپنے مخاطبین کو عقل استعمال کرنے اور تدبر سے کام لینے کی دعوت دی ہے، جو انسانوں کو آفاق وانفس میں غور کرنے پر ابھارتا اور مختلف معاملات ومسائل میں سائنسی منہاج اختیار کرنے پر زور دیتا ہے۔ قرآن اہل ایمان کی امتیازی صفت یہ قرار دیتا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین میں غور کرکے اپنے رب کی معرفت حاصل کرلیتے ہیں۔ زیر نظر کتاب اسی موضوع کا ایک مبسوط مطالعہ ہے۔ اس سے معترضین کے مذکورہ الزام کا بہ خوبی رد بھی ہوتا ہے اور غور وتدبر اور عقلی استدلال سے متعلق قرآن کا صحیح نقطۂ نظر بھی واضح ہوجاتا ہے۔

یہ کتاب دراصل فاضل مصنفہ کا وہ تحقیقی مقالہ (بہ عنوان: القرآن والنظر العقلی) ہے، جسے انھوں نے جامعہ عین شمس (مصر) میں فلسفہ میں ایم اے کی ڈگری لینے کے لیے لکھا تھا۔ مقدمہ کے علاوہ بنیادی طور پر یہ چار مباحث پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں کتاب میں زیر بحث اصطلاحات: القرآن، النظر، العقل اور ان کے مترادفات کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے اور معتزلہ، اشاعرہ اور فلاسفہ کا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔ بحث اول میں مصنفہ نے تدبر وتفکر کی دعوت دینے والی آیات کو جمع کیا ہے اور ان

کی کئی ذیلی تقسیمیں کرکے ان کی تشریح کی ہے، پھران سے یہ استدلال کیا ہے کہ عقلی غور و تدبر کا بنیادی مقصد قرآن کے نزدیک علم ومعرفت کا حصول ہے۔ دوسری بحث میں تعقّل و تدبّر کے قرآنی منہاج پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس میں پہلے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ قرآن نے اندھی تقلید، بے بنیاد وہم وگمان اور خواہشِ نفس کی پیروی کی مذمّت کی ہے، پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن نے عقلی استدلال کے کیا کیا طریقے اختیار کیے ہیں۔ تیسری بحث اس موضوع پر ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات میں عقلی غور وفکر کا کیا کردار ہے اور قرآن نے ان امور کے سلسلے میں کن چیزوں سے اور کس طرح استدلال کیا ہے؟ چوتھی اور آخری بحث میں فاضل مصنفہ نے فکرِ اسلامی پر قرآن کی دعوتِ تدبر کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے عہد نبوی اور عہد صحابہ کے ساتھ مابعد ادوار میں فکر اسلامی کے ارتقاء پر روشنی ڈالی ہے اور عقل ونقل کے درمیان ربط وتعلق اور دین وفلسفہ میں ہم آہنگی کے موضوع پر مسلم متکلمین اور فلاسفہ کے افکار کا مطالعہ پیش کیا ہے۔

یہ کتاب موجودہ دور کے ایک اہم موضوع پر بھرپور معلومات پیش کرتی ہے۔ فاضل مصنفہ کا اسلوب بہ حیثیت مجموعی عام فہم اور سلجھا ہوا ہے، کہیں کہیں دقیق فلسفیانہ مباحث در آئے ہیں۔ ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی نے، جنھوں نے متعدد اہم عربی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، اس کتاب کو بھی اردو قالب عطا کیا ہے، اس پر وہ علمی حلقوں کی جانب سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ قرآنیات پر اردو لٹریچر میں یہ کتاب ایک مفید اضافہ ہے۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)

ہندوستانی معاشرہ میں تعدّدِ ازدواج — ڈاکٹر شائستہ پروین

(عیسائیت، ہندوازم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ)

ناشر: البلاغ پبلی کیشنز، نئی دہلی-۲۰۱۰ء، صفحات: ۲۶۴، قیمت: -/۱۷۰ روپے

اسلام میں تعدّدِ ازدواج کا مسئلہ ہمیشہ اغیار کی طرف سے طعن وتشنیع کا موضوع

رہا ہے اور اس کو اسلام کی ایک بڑی کم زوری کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام نے تعدّد ازواج کی گنجائش رکھی ہے، قرآن وحدیث میں اس کی اجازت دی گئی ہے اور امت کا اس پر عمل رہا ہے، مگر یہ کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام کو مطعون کیا جائے اور اس پر اعتراضات کے تیر برسائے جائیں، کیوں کہ قدیم مذاہب : یہودیت، عیسائیت اور ہندومت وغیرہ میں بھی تعدّد ازواج کی مختلف شکلیں رائج رہی ہیں، ان مذاہب میں اس کی اجازت دی گئی ہے اور ان کے ماننے والوں نے اس پر عمل کیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب میں اس موضوع پر اسلام، عیسائیت اور ہندومت کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتاب دراصل ایک تحقیقی مقالہ ہے، جس پر فاضل مصنفہ کو شعبۂ دینیات مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔ موصوفہ اس پہلو سے مبارک باد کی مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک اہم اور نازک سماجی موضوع کا انتخاب کیا اور اس پر بہ حسن وخوبی اپنا کام مکمل کیا۔

زیر نظر کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی تین ابواب میں عیسائیت، ہندوازم اور اسلام میں تعدد ازواج کی تفصیل بیان ہوئی ہے اور باب چہارم میں ان تینوں مذاہب کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

فاضل مصنفہ نے اسلام میں تعدّد ازواج کے ذیل میں سب سے پہلے ازواج مطہرات کی مثال پیش کی ہے، پھر خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کا عمل پیش کیا ہے، اس کے بعد فقہاء کرام کی آراء نقل کی ہیں، قرآن مجید کی جس آیت میں تعدد ازواج کا ذکر ہے اس کی تفسیر میں مشہور مفسرین، خاص طور سے ہندوستانی مفسرین، جیسے مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالکلام آزاد، مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالماجد دریابادی، سرسید احمد خاں اور مولانا عمر احمد عثمانی رحمہم اللہ کی آراء نقل کی ہیں۔

تقابلی مطالعے میں مذکورہ مذاہب کے ماننے والوں کی عام آبادیوں کی سروے رپورٹیں بھی درج کی گئی ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے تعدد ازواج پر عامل ہیں۔ ساتھ ہی تعدد ازواج کے بارے میں کچھ مشہور مسلم اور غیر مسلم سماجی ماہرین کی آراء نقل کی گئی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ ایک قابلِ تحسین کاوش ہے۔ فاضل مصنفہ مبارک باد کی مستحق ہیں، البتہ بعض مقامات پر نصوص کے حوالوں کی کمی محسوس ہوتی ہے، نیز زبان و بیان کی درستگی پر بھی مزید توجہ کی ضرورت تھی۔ کتاب کی طباعت و کتابت عمدہ ہے۔ امید ہے علمی حلقوں میں اس کی پزیرائی ہوگی۔ (محمد جرجیس کریمی)

اسلام میں خدمت خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

اسلام نے خدمتِ خلق کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس کتاب میں خدمتِ خلق کی دینی حیثیت اور عبادت سے اس کا تعلق واضح کرنے کے بعد خدمت کے مختلف پہلوؤں، طریقوں اور ذرائع کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے مستحقین کا تذکرہ ہے۔ وقتی اور ہنگامی خدمات، مستقل خدمات، رفاہی خدمات اور اس مقصد سے قائم ہونے والے اداروں اور تنظیموں کی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں مروّج بعض غلط تصورات کی اصلاح بھی کی گئی ہے۔ وقت کے ایک اہم موضوع پر اردو میں پہلی مستند کتاب، صفحات: ۱۸۴، قیمت: =/۸۰ روپئے

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ Islam and service to mankind کے نام سے شائع ہوگیا ہے، صفحات: ۲۰۰، قیمت: -/۱۰۰ روپئے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳، علی گڑھ-۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۴۱)

☆ صدر ادارہ وامیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری مرکزِ جماعت کمپلکس میں واقع 'مسجد اشاعتِ اسلام' میں جمعہ وعیدین کے خطبے دیتے ہیں، جنھیں سننے کے لیے دور ونزدیک کے علاقوں سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں جوق در جوق حاضر ہوتے ہیں۔ گزشتہ عیدالفطر کا خطبہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے 'اللہ کی کتاب ہم سے کیا چاہتی ہے؟' کے عنوان سے شائع ہوگیا ہے۔ صفحات: ۱۶، قیمت: -/۸ روپیے۔

☆ مولانا عمری نے ۲۶ تا ۲۸ ستمبر ۲۰۱۱ء تین دن علی گڑھ میں گزارے۔ وہاں لڑکیوں کی دینی تعلیم کے مشہور ادارہ سراج العلوم نسواں کالج، جس کے وہ سرپرستِ اعلیٰ ہیں، کی مجلس منتظمہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔ اس موقع پر ادارۂ تحقیق کے بہی خواہان ومنتسبین اور مجلّہ تحقیقات اسلامی کے مقامی قلم کاروں کی ایک نشست رکھی گئی، جس میں ادارہ کی علمی سرگرمیوں کو تیز کرنے اور ان میں بہتری لانے کے لیے تبادلۂ خیال اور مشورہ کیا گیا۔ صدر ادارہ نے ادارہ کے کارکنوں اور زیر تربیت اسکالرس کے ساتھ بھی میٹنگ کی اور علمی وانتظامی معاملات میں ان کی رہ نمائی فرمائی۔ اس کے علاوہ جماعت اسلامی ہند کی مسلم یونی ورسٹی شاخ کی جانب سے منعقدہ اجتماع عام اور اجتماع حلقۂ خواتین میں بھی خطاب فرمایا۔

☆ جماعت اسلامی ہند نے دوسال قبل خاندان کے موضوع پر پورے ملک میں ایک مہم منائی تھی اور بڑے پیمانے پر مختلف پروگرام منعقد کیے تھے۔ اس موقع سے نظامِ خاندان کے مختلف پہلوؤں پر کتابچے بھی شائع کیے گئے تھے۔ اب مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نے ان کتابچوں پر مشتمل دو مجموعے شائع کردیے ہیں۔ ان میں رکن ادارہ مولانا محمد جرجیس کریمی کا مقالہ 'خوش گوار ازدواجی تعلقات' اور معاون مدیر مجلّہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کا مقالہ 'رحم مادر میں بچیوں کا قتل- اسباب اور انسدادی تدابیر' شامل ہیں۔ ان مجموعوں کے نام یہ ہیں: اسلامی خاندان، صفحات: ۱۵۸، قیمت: -/۷۲ روپے، اسلام کا معاشرتی نظام، صفحات: ۱۲۸، قیت: -/۵۵ روپے۔

☆ مولانا محمد جرجیس کریمی کی کتاب 'جرائم اور اسلام' ۲۰۰۵ء میں مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اب اس کا مراٹھی ترجمہ اسلامک مراٹھی پبلی کیشن ٹرسٹ ممبئی سے شائع ہوگیا ہے۔ صفحات: ۱۷۳، قیمت: -/۶۰ روپے۔

☆ ادارہ میں زیر تربیت اسکالرس کے رائٹرس فورم کے تحت ۲۰/اگست ۲۰۱۱ء کو ایک علمی مجلس کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس میں مولانا مزمل کریم فلاحی قاسمی نے 'قرآنی قصوں کی ادبی معنویت' کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا۔

☆ دوماہ کے مختصر عرصہ میں ادارہ اپنے دو تاسیسی ممبران سے محروم ہوگیا۔ ۲۵/ جولائی ۲۰۱۱ء کو ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی کا، جو مشہور ماہر معاشیات تھے، انتقال ہوگیا۔ انھوں نے تقریباً آٹھ سال تک ادارہ کی سکریٹری شپ کے فرائض انجام دیے تھے اور ۲۹/اگست ۲۰۱۱ء - ۲۸/رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ کو ڈاکٹر مطیع اللہ کوثر یزدانی رحلت فرما گئے۔ مرحوم شروع ہی سے ادارہ کے تاسیسی ممبر تھے۔ جماعت اسلامی ہند کے ہندی ترجمان کانتی کے بانی مدیر رہے اور عرصہ دراز تک اس کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ اس کے ساتھ وہ حلقہ دہلی پردیش کے امیر بھی رہے۔ ان کے دور میں حلقہ نے بڑی وسعت اختیار کی۔

☆ ڈاکٹر فریدی کے سانحۂ ارتحال پر ادارہ میں ۳۱/جولائی ۲۰۱۱ء کو ایک تعزیتی نشست کا انعقاد کیا گیا، جس میں ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسے تحریکی بزرگوں کے علاوہ کثیر تعداد میں خواتین و حضرات شریک ہوئے۔ اس موقع پر متعدد شرکاء نے مرحوم کی زندگی کے مختلف گوشوں اور علمی و تحریکی خدمات پر روشنی ڈالی۔

☆ ادارہ کا تصنیفی تربیتی پروگرام کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ اس شعبہ میں انٹرویو کے بعد ایک اسکالر کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اشتہار کے ذریعے مزید درخواستیں طلب کی گئی ہیں۔ ادارہ میں محققین کی نئی تقرریوں کے لیے بھی اخبارات میں اعلان شائع کرایا گیا ہے۔ (ادارہ)

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۰، ۲۰۱۱ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرف آغاز			
اسلام میں حیثیتِ نسواں	سید جلال الدین عمری	۱	۵-۲۲
کلیدی خطاب	،،	۲	۱۲۵-۱۳۲
عصر حاضر کے چند اہم سماجی مسائل اور اسلام	محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۲۴۵-۲۵۶
اہل کتاب کو اسلام کی دعوت	سید جلال الدین عمری	۴	۳۶۵-۳۷۸
تحقیق وتنقید			
تفسیر قرآن میں غلام احمد پرویز پر مستشرقین کے اثرات	ڈاکٹر محمد شہباز منج	۱	۲۳-۵۲
داستان نویسی اور قرآن وحدیث کے تاریخی واقعات	ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی	۲	۱۳۳-۱۶۴
شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے متصوفانہ افکار	ڈاکٹر محسنہ منیر	۲	۱۶۵-۱۹۰
حضرت مجدد الف ثانیؒ اور احیائے سنت	ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن	۳	۲۵۷-۲۷۸
انیسویں صدی عیسوی میں عربی خودنوشت سوانحی ادب	ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی	۳	۲۷۹-۲۹۶
تفسیر نویس - ایک مطالعہ	پروفیسر کبیر احمد جائسی	۴	۳۷۹-۳۹۲
ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیاں	ڈاکٹر محمد سہیل شفیق	۴	۳۹۳-۴۱۶
بحث ونظر			
اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری - ذمّی	مولانا یحییٰ نعمانی	۱	۵۳-۸۰
عصری تہذیبی کش مکش میں بین المذاہب مکالمہ کی ضرورت اور تقاضے	ڈاکٹر محمد اکرم ورک	۱	۸۱-۱۰۶
فکر اسلامی کی نشأۃ ثانیہ اور علامہ اقبال	ڈاکٹر سید عبدالباری	۲	۱۹۱-۲۱۰
تدریس قرآن میں احادیث سے استفادہ	مفتی جمیل احمد نذیری	۳	۲۹۷-۳۱۶
دعوت وتبلیغ کے نبوی اسالیب	جناب محمد جنید انور	۳	۳۱۷-۳۴۰
اسلامی نظام وراثت میں عورت کا حصہ	محمد رضی الاسلام ندوی	۴	۴۱۷-۴۳۶
دین میں مصالح کی اہمیت	مولانا محمد جرجیس کریمی	۴	۴۳۷-۴۵۶
حلال اور حرام پرندے	حافظ مبشّر حسین	۴	۴۵۷-۴۷۰

سیر وسوانح

علامہ برہان الدین بقاعیؒ اوران کی تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور	ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی	۲	۲۱۱-۲۳۱

نقد واستدراک

نور محمدی کی اساطیری اختراع پردازی	پروفیسر احتشام احمد ندوی	۳	۳۴۱-۳۴۶

تعارف وتبصرہ

ایران کی چند اہم فارسی تفسیریں (جلد سوم)	محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۱۰۷-۱۰۸
فیضان رسالت	،،	۱	۱۰۸-×
قطع حیات بہ جذبۂ رحم کی شرعی حیثیت	،،	۱	۱۰۹-۱۱۰
انتہا پسندی اوراس کا تدارک	مولانا جاوید احسن فلاحی	۱	۱۱۰-۱۱۲
مدارس اسلامیہ کی دینی ودعوتی خدمات	محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۱۱۲-۱۱۳
تاریخ افغانستان وشیشان (چیچنیا)	،،	۱	۱۱۳-۱۱۴
مجلّہ 'الاخبار' بھٹکل (فلسطین نمبر)	،،	۱	۱۱۴-۱۱۶
آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱	۱۱۷-۱۱۸
عہد نبوی کا تمدن	محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۳۲-۲۳۵
اردو میں حمد ومناجات	ڈاکٹر محمد شہاب الدین	۲	۲۳۶-۲۳۷
علامہ عبدالعزیز میمنی-ایک تحقیقی مطالعہ	جناب زبیر عالم	۲	۲۳۷-۲۳۸
مذاہب میں عورت کا مقام	محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۴۷-۳۵۱
ابن شہاب زہری اوران پر اعتراضات کا جائزہ	،،	۳	۳۵۱-۳۵۲
احیائے دین اور ہندوستانی علماء	مولانا محمد جرجیس کریمی	۳	۳۵۲-۳۵۴
معاشرتی اصلاح-قرآن کریم کی روشنی میں	مولانا مزمل کریم فلاحی قاسمی	۳	۳۵۵-۳۵۶
ثنائے جمیل (مجموعۂ نعت)	جناب محمد نظام الدین فلاحی	۳	۳۵۶-۳۵۸
عقلیاتِ قرآن کریم	محمد رضی الاسلام ندوی	۴	۴۷۱-۴۷۲
ہندوستان معاشرہ میں تعدد ازدواج	مولانا محمد جرجیس کریمی	۴	۴۷۲-۴۷۴
خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۳۸)	ادارہ	۱	۱۱۱۹-۱۲۰
،، ،، (۳۹)	،،	۲	۲۳۹-۲۴۰
،، ،، (۴۰)	،،	۳	۳۵۹-۳۶۰
،، ،، (۴۱)	،،	۴	۴۷۵-۴۷۶

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد۳۰، ۲۰۱۱ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
اصلاحی، صفدر سلطان	انیسویں صدی میں عربی خودنوشت سوانحی ادب	۳	۲۹۶-۲۷۹
الہ آبادی، محمود حسن	داستان نویسی اور قرآن وحدیث کے تاریخی واقعات	۲	۱۶۴-۱۳۳
انور، محمد جنید	دعوت وتبلیغ کے نبوی اسالیب	۳	۳۴۰-۳۱۷
جائسی، کبیر احمد	تفسیر نویں- ایک مطالعہ	۴	۳۹۲-۳۷۹
زبیر عالم	علامہ عبدالعزیز میمنی-ایک تحقیقی مطالعہ (تبصرہ)	۲	۲۳۸-۲۳۷
شفیق، محمد سہیل	ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیاں	۴	۴۱۶-۳۹۳
شہاب الدین، محمد	اردو میں حمد ومناجات (تبصرہ)	۲	۲۳۷-۲۳۶
عبدالباری، سید	فکر اسلامی کی نشأۃ ثانیہ اور علامہ اقبال	۲	۲۱۰-۱۹۱
عزیز الرحمٰن، سید	حضرت مجدد الف ثانی اور احیائے سنت	۳	۲۷۸-۲۵۷
عمری، سید جلال الدین	اسلام میں حیثیت نسواں	۱	۲۲-۵
،،	اہل کتاب کو اسلام کی دعوت	۴	۳۷۸-۳۶۵
،،	کلیدی خطاب	۲	۱۳۲-۱۲۵
فلاحی، جاوید احسن	انتہا پسندی اور اس کا تدارک (تبصرہ)	۱	۱۱۲-۱۱۰
فلاحی، عبیداللہ فہد	علامہ برہان الدین بقاعیؒ اور ان کی تفسیر	۲	۲۳۱-۲۱۱
فلاحی قاسمی، مزمل کریم	معاشرتی اصلاح-قرآن کریم کی روشنی میں (تبصرہ)	۳	۳۵۶-۳۵۵
فلاحی، محمد نظام الدین	ثنائے جمیل (مجموعۂ نعت) (تبصرہ)	۳	۳۵۸-۳۵۶
کریمی، محمد جرجیس	آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب (تبصرہ)	۱	۱۱۸-۱۱۷
،،	احیائے دین اور ہندوستانی علماء (تبصرہ)	۳	۳۵۴-۳۵۲
،،	دین میں مصالح کی اہمیت	۴	۴۵۶-۴۳۷
،،	ہندوستانی معاشرہ میں تعدد ازدواج	۴	۴۷۴-۴۷۲
مبشر حسین، حافظ	حلال اور حرام پرندے	۴	۴۷۰-۴۵۷

محسنہ منیر	شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے متصوفانہ افکار	۲	۱۹۰-۱۶۵
منج، محمد شہباز	تفسیر قرآن میں غلام احمد پرویز پر مستشرقین کے اثرات	۱	۵۲-۲۳
ندوی، احتشام احمد	نور محمدی کی اساطیری اختراع پردازی	۳	۳۴۶-۳۴۱
ندوی، محمد رضی الاسلام	ابن شہاب زہری اوران پر اعتراضات کا جائزہ (تبصرہ)	۳	۳۵۲-۳۵۱
،،	اسلامی نظام وراثت میں عورت کا حصہ	۴	۴۳۶-۴۱۷
،،	ایران کی چند اہم فارسی تفسیریں (تبصرہ)	۱	۱۰۸-۱۰۷
،،	تاریخ افغانستان وشیشان (،،)	۱	۱۱۴-۱۱۳
،،	عصر حاضر کے چند اہم سماجی مسائل اور اسلام	۳	۲۵۶-۲۴۵
،،	عقلیاتِ قرآن کریم (تبصرہ)	۴	۴۷۲-۴۷۱
،،	عہد نبوی کا تمدن (تبصرہ)	۲	۲۳۵-۲۳۲
،،	فیضان رسالت (تبصرہ)	۱	×-۱۰۸
،،	قطع حیات بہ جذبۂ رحم کی شرعی حیثیت (،،)	۱	۱۱۰-۱۰۹
،،	مجلّہ 'الاخبار' بھٹکل (فلسطین نمبر) (،،)	۱	۱۱۶-۱۱۴
،،	مدارس اسلامیہ کی دینی ودعوتی خدمات (،،)	۱	۱۱۳-۱۱۲
،،	مذاہب میں عورت کا مقام (،،)	۳	۳۵۱-۳۴۷
نذیری، جمیل احمد، مفتی	تدریسِ قرآن میں احادیث سے استفادہ	۳	۳۱۶-۲۹۷
ورک، محمد اکرم	بین المذاہب مکالمہ کی ضرورت اور تقاضے	۱	۱۰۶-۸۱
یحییٰ نعمانی	اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری-ذمّی	۱	۸۰-۵۳

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، A-27، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: Sammaradnan<talluadnan@yahoo.com>

R.No. 38933/81 | Quartely | Mob. 9412562972
Tahqeeqat-e-Islami | Phone: 0571-2902034
OCTOBER.....2011 | Aligarh | DECEMBER.....2011

مولانا سید جلال الدین عمری کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۴۰/-	۲۰	دولت میں خدا کا حق	۱۰/-
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۵۵/-	۲۱	انفاق فی سبیل اللہ	۲۰/-
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/-	۲۲	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/-
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۳۵/-۵۰/-	۲۳	اسلام اور مشکلات حیات	۲۰/۲۵
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۲۰۰/-	۲۴	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۰/-
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۸۰/-	۲۵	اسلام اور وحدت بنی آدم	۶/-
۷	معروف و منکر	۸۵/-	۲۶	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۸۰/-
۸	اسلام کی دعوت	۱۴۰/-	۲۷	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۰/-
۹	اسلام-ایک دین کی دعوت	۸/-	۲۸	جماعت اسلامی ہند-پس منظر خدمات اور طریق کار	۱۵/-
۱۰	ہندوستان میں اسلام کی دعوت-اہمیت اور تقاضے	۵/-	۲۹	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۶/-
۱۱	دعوت و تربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۰/-	۳۰	ملک جلتا ہے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۰/-
۱۲	قرآن مجید کا تصور تزکیہ	۱۲/-	۳۱	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۲۰/-
۱۳	عورت-اسلامی معاشرے میں	۱۶۰/-	۳۲	وقت حساب	۱۰/-
۱۱۴	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	۸۰/-	۳۳	آخرت کے عذاب سے خاندان کو بچایئے	۱۰/-
۱۵	عورت اور اسلام	۲۰/۲۵/-	۳۴	اسلام کا شورائی نظام	
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۱۵/-	۳۵	فقہی اختلافات کی حقیقت	۱۰/-
۱۷	اسلام کا عائلی نظام	۸۵/-	۳۶	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۲/-
۱۸	بچے اور اسلام	۵/-	۳۷	سوئے حرم چلا	۱۵/-
۱۹	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/-	۳۸	دینی علوم کی تدریس	۱۲/-

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نئی مگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، جنی، دہلی-۲۵